اسلامی فقہ

مجیب اللہ ندوی

حصہ چہارم

مکتبہ الحسنات رامپور یوپی

[redacted]

وہ بچی

اس میں پڑھا جاتا

—— انشاء اللہ

اس میں دینی روح پیدا ہوگی

دل میں اسلامی رنگ چھانے لگے گا

یں اسلام پر قائم رہ سکیں گی

آمین اقامت دین کی

کی مددگار ثابت ہو

الحسنا

محمد یعقوب خاں سہروردی

KING FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO. 06574
MAILSI

اسلامی فقہ

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی

حصہ چہارم

مکتبہ "الحسنات" رامپور یوپی

KING FAISAL SHAHNDIR LIBRARY
ACC No
M.A.O. COLLEGE ★ ALIGARH ★
TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
DIGITAL LIBRARY
Hamid Faisal Shahnadir Library

پہلی بار ۔۔۔ ۱۰۰۰ ۔۔۔ ستمبر ۱۹۵۸ء

مطبوعہ جدید پریس دہلی

شائع کردہ

مکتبۂ الحسنات "رامپور یوپی"

قیمت فی جلد ..... تین روپے آٹھ آنے

الْوَلَدِ وَالنَّفَقَةِ عَلَى الْاَقَارِبِ	اٹھاتا ہے اس کے ذریعے اس کے باطن میں
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاِعْفَافِ	وسعت اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے
الْحَرَمِ وَنَفْسِهٖ وَدَفْعِ الْفِتْنَةِ	مثلاً اولاد کی تربیت کرتا ہے اپنے اقارب
عَنْهُ وَعَنْهُنَّ	اور کمزوروں کا نان نفقہ پورا کرتا ہے
	اس کے ذریعے اپنی بیوی اور اپنی ذات

کو پاک باز رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے اپنی بیوی کو اور اپنی ذات کو کتنے فتنوں سے بچاتا ہے۔

گویا جو آدمی نکاح کے تعلق سے بھاگتا ہے وہ ایک طرف تو زندگی کی ذمے داریوں سے بھاگتا ہے اور دوسری طرف وہ اپنی فطری عفت و عصمت کو بھی ایک بہت بڑے خطرے میں ڈالتا ہے کیونکہ عفت و عصمت جو انسانیت کی جان ہے اس کی حفاظت تجرد کی زندگی میں بالکل غیر یقینی ہے، نہ جانے کس وقت اس جوہر انسانیت کو آدمی کھو بیٹھے، اسی بنا پر قرآن نے بار بار نکاح کی ترغیب دی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی غریب و فاقہ مست ہو لیکن اس میں رشد و صلاح کے آثار نظر آتے ہوں تو اس کو اپنی لڑکیاں دے کر رشتۂ نکاح میں باندھ دینا چاہیے، اسی طرح بیوہ عورتوں کو بھی بٹھائے نہ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اُن کی فطرت کے ساتھ ظلم ہے۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ

مِنْ فَضْلِہٖ" کا جملہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بعض صحابہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دینی زندگی اور روحانی و اخلاقی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیاوی اور مادی علائق سے کنارہ کش ہو جائیں، آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس راہبانہ خیال کو سخت ناپسند فرمایا اور اعلان فرمایا کہ یہ طریقہ نبوت کے خلاف ہے

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ	نکاح میری سنت ہے جو شخص اس سے
فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ	منہ موڑتا وہ میرے طریقے سے روگردانی
مِنِّیْ۔	کرتا ہے اور اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہ کہ میاں بیوی کے تعلق ہی سے نسل چلتی ہے اور اسی سے خاندان کا نظام وجود میں آتا ہے، اس لیے یہ جتنا ہی زیادہ پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی پاکیزہ اور مضبوط رشتے کا خاندان وجود میں آئے گا، اور جتنا پاکیزہ اور صالح خاندان وجود میں آئے گا، ویسا ہی پاکیزہ معاشرہ بنے گا، اور اس معاشرے کے ذریعے اسی طرح کا پاکیزہ تمدن ظہور پذیر ہوگا اس لیے اسلام نے اپنی اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں سے پوری کوشش کی ہے، کہ میاں بیوی کا رشتہ پاکیزہ اور مضبوط طریقے پر قائم بھی ہو اور پھر مضبوط اور پاکیزہ طریقے پر قائم بھی رہے اور جہاں اس تعلق میں پاکیزگی اور مضبوطی نہ پیدا ہو رہی ہو وہاں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اس رشتے کو کاٹ دیا جائے، کیونکہ اس کمزور اور غیر پاکیزہ رشتے کو قائم رکھنے سے بہتر ہے کہ اسے کاٹ ہی دیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس

کمزور و غیر پاکیزہ رشتے سے جو خاندان وجود میں آئے گا، وہ بھی انتہائی کمزور اور غیر پاکیزہ ہوگا۔

نکاح ایک مضبوط معاہدہ ہے جس طرح تمام معاملات میں دو آدمی آپس میں ایک معاہدہ کرتے ہیں، اور معاہدہ کرنے کے بعد دونوں پر اس وقت تک اس کی پابندی ضروری ہوتی ہے، جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس معاہدے کے باقی رکھنے میں کسی نہ کسی فریق کا کوئی دینی یا اخلاقی نقصان یقینی ہے، اسی طرح اسلامی شریعت نکاح کے تعلق کو بھی ایک مضبوط معاہدہ قرار دیتی ہے، اور اس معاہدے کو اس وقت تک توڑنے کی اجازت نہیں دیتی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے توڑنے ہی میں اچھائی ہے۔ وہ اس معاہدے کو عقدِ نکاح کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے، عقد کے معنی جیسا کہ ذکر آچکا ہے، گرہ دینے یا باندھنے کے ہیں، یعنی نکاح کے ذریعے میاں بیوی کو ایک دوسرے کی ایک بنیاد ایک خاندان کی داغ بیل ڈالنے اور اس کے واسطے سے معاشرے کی اس بنیاد کو مستحکم کرنے کا معاہدہ کرتے ہیں، جس پر ایک صالح تہذیب اور پاکیزہ تمدن کے وجود کا مدار ہے، اسی لیے قرآن نے نکاح کے مقابلے میں سفاح کا لفظ استعمال کیا ہے، جو کہ جنسی تعلق کے ذریعے ایک پاکیزہ خاندان اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، اسی طرح سفاح کے ذریعے خاندان کے وجود اور معاشرے کی پاکیزگی میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی مضبوط اور پاکیزہ

بہریا نہیں ہو سکتا۔

سفاح کے معنی! سفاح کے لفظی معنی بہانے اور انڈیلنے کے ہیں، اسی سے یہ محاورہ نکلا ہے کہ بَیْنَھُمْ سِفَاحٌ یعنی ان کے درمیان خون ریزی ہے، بنو عباس کے پہلے خلیفہ کو سفاح اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے ناحق خون بہت کی تھی، سفیح جوئے کے اس تیر کو کہتے ہیں جس کا کوئی حصہ نہ ہو گویا سفح کے لفظ میں بے کار جانے اور بے ضرورت کسی چیز کو بہانے کے معنی پوشیدہ ہیں، اسی لیے زنا کو سفاح کہتے ہیں کیوں کہ زنا میں آدمی اپنا نطفہ بالکل ضائع کرتا ہے اسی لیے قرآن نے زانی و بدکار مردوں کے لیے مُسَافِحِیْنَ اور زانیہ فاحشہ عورتوں کے لیے مُسَافِحَات کا لفظ استعمال کیا ہے

قرآن نے بار بار سفاح سے بچنے کی تاکید کی ہے اور زنا کے لیے انسان کی تغریب دی ہے وَمُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ۔ تم لوگ کی شریعت آگئی ہے۔

زنا کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ جس شریعت میں زنا کی سزا سنگساری مقرر کی گئی ہے وہ شریعت انسانیت کی دشمن ہے۔ اس طریقہ کی تعزیر کا تعلق کسی گروہ یا قوم کے مقررہ تمدن سے نہیں ہے بلکہ فطرت انسانی کا ہمیشہ یکساں تقاضا ہے۔

۱؎ لسان العرب اور تاج العروس لفظ سفح

اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ جِہَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَأْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ

تجارت جس کے گھاٹے کا تم کو خوف ہے اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو تم کو خدا، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں، تو خدا کے حکم کا انتظار کرو

(توبہ)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد ہی میں بعض تمہارے دشمن ہیں، تو ان سے بچتے رہو۔

یعنی ان کی حد سے زیادہ محبت تمہارے لیے اسی طرح نقصان رساں ہوتی ہے جس طرح ایک دشمن کی دشمنی۔

اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اپنے بعد سب سے بڑا فتنہ مرد کے لیے عورت کو چھوڑ رہا ہوں، اسی فتنے نے بنو اسرائیل کو سب سے زیادہ تباہ کیا حتیٰ جس طرح اس شے کی محبت کا مقررہ حدود سے تجاوز کر جانا آدمی کے دین کے لیے فتنہ ہے اسی طرح اس کے مقررہ حدود میں کوتاہی بھی دین کے لیے فتنہ ہے اسی لیے یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ عورت چونکہ فطرتاً کمزور ہوتی ہے اور مرد کو اس کے اوپر کچھ فطری اور کچھ شرعی تفوق بھی حاصل ہے اس لیے اس کے ساتھ انتہائی عدل و انصاف مروت ملاطفت اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے کیونکہ جو شخص اپنی بیوی سے عدل و انصاف اور حسن سلوک نہ کر سکا تو پھر اس نے

کیا جائے گا اس کے ذریعے جو خاندان وجود میں آئے گا اس میں کوئی اخلاقی خرابی موجود ہوگی۔ قرآن نے نکاح کرنے کی ترغیب ضرور دی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ تاکید کر دی ہے کہ

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ — ان کے ساتھ نکاح مناسب طریقے پر ہونا چاہیے

قرآن نے چار شادیوں کی اجازت دی ہے لیکن اگر ان کے درمیان عدل نہ قائم رہ سکے، تو پھر ایک شادی سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا — پھر اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم ان کے درمیان

فَوَاحِدَةً — عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفا کرو

غرض یہ تھا وہ تصور جو قرآن سے بچ کر اگر یہ تعلق قائم نہ رکھا جائے تو پھر میاں بیوی کے تعلق میں عدل و توازن قائم نہیں رہ سکتا، اور جب یہ عدل و توازن قائم نہیں رہے گا تو آدمی یا تو بیوی کا بندہ بن کر رہ جائے گا یا گھر کا خدا بننے کی کوشش کرے گا، دونوں صورتوں میں اس کے ذریعے نہ صحیح معاشرہ وجود میں پیدا ہو سکے گا، جس کے لیے صدقے میں تعلق کو انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس

تَكُونَ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ — سے نکاح کر دے ورنہ زمین میں فتنہ اور عظیم

[illegible]

خاندان کا اخلاقی معیار جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے ایک صالح خاندان کا وجود ضروری ہے۔ صالح خاندان کا وجود اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس نکاح کے ذریعے جو مقاصد پیش نظر ہیں ان کی تکمیل کی جائے۔ اور یہ مقاصد جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، ازدواجی زندگی کی خوشگواری اور صالحیت پر مبنی ہے۔ اور ایک صالح خاندان کا وجود عفت و عصمت کی حفاظت پر منحصر ہے۔ لیکن نکاح کے ذریعے ایک صالح اور پاکیزہ خاندان کا وجود اسی وقت ہو سکتا ہے، جب اس نکاح کے ذریعے جو مقاصد پیش نظر ہیں ان کی تکمیل کی جائے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کے وقت ان مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے۔ اور ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کے وقت ان مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے۔

عفت و عصمت کی حفاظت ازدواجی زندگی کا ایک اہم مقصد انسان کی فطری عفت و عصمت کی حفاظت کرنا ہے، جو ہر انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے۔ اس فطری عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کے ذریعے ان تمام باتوں اور اسباب کو ختم کر دیا جائے جو عفت و عصمت کے لیے خطرہ ہیں۔ اور ان تمام باتوں اور اسباب کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کے ذریعے ان تمام باتوں اور اسباب کو مہیا کیا جائے جو عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ اور ان تمام باتوں اور اسباب کو مہیا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کے ذریعے ان تمام باتوں اور اسباب کو مہیا کیا جائے جو عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔

ہوئے - نکاح سے بھی یہ کام ہوتا ہے کہ عورت کو نکاح کے تعلق سے اور پاک دامنی اور نکاح کو لفظ احصان سے تعبیر کیا ہے - نکاح کے معنی ہی ہیں کہ جب کسی عورت کو نکاح کرلیتے ہیں اور احصان کے معنی محفوظ کرنے اور حفاظت کرنا ہوتے ہیں تو نکاح کے ذریعے ایک مرد اور عورت اپنے نفس کی عفت و عصمت کو محفوظ کرتے ہیں اور اسی لئے قرآن مجید میں نکاح کو احصان سے تعبیر کرتے ہیں -

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ	اور وہ عورتوں کے جو خاوند والی ہیں
اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ	عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم ان کو مہر دے کر نکاح میں لاؤ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی مقصود ہو
غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (النساء)	
فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ	نوکر کے ذمے داروں کی اجازت سے
وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	ان سے نکاح کرو اور حسب دستور
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ	کے مہر ادا کرو، وہ پاکدامن
وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ	رہیں، نہ علانیہ بدکاری کریں نہ خفیہ دوستیاں
(النساء)	کرنے والی نہ ہوں -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نوجوانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ	اے نوجوانو! تم میں جو کوئی
اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ	نکاح کی طاقت رکھتا ہو

فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (ابن ماجہ)

نگاہ نیچی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جن کو استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھیں کہ اس سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے

معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص زنا بدکاری سے بچنا، اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو اس کو قید نکاح کا پابند ہونا چاہیے۔

(۳) الفت و محبت: نکاح کی دوسری غرض یہ ہے کہ میاں بیوی کا یہ تعلق محض خواہش نفسانی کی تکمیل ہی کا سبب نہ ہو، بلکہ یہ تعلق محبت و مودت کی ایک مضبوط بنیاد ثابت ہو، اس کے ذریعے دونوں کو سکون و راحت میسر ہو، کیونکہ دو انسانوں کا یہ تعلق اگر سکون و راحت کی فضا نہ بنا سکے، تو پھر اس کے ذریعے نسل کے دوسرے بندوں کے وہ حقوق کہاں تک پورے ہو سکتے ہیں، جن کے لیے ان دونوں کو ایک رشتہ میں جوڑا گیا ہے، کیونکہ اگر خشت اول ہی کج رہے گی تو آسمان تک جو عمارت ہوگی وہ بھی کج ہی ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے میاں بیوی کی الفت و محبت کو اپنی ایک خاص نشانی قرار دی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنا دیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت

درمیان الفت و محبت پیدا کر دی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا (اعراف)

وہی ذات ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے

قرآن نے یہاں تین لفظ استعمال کیے ہیں۔ مودت، رحمت اور سکون۔ مودت میں ہر طرح کی محبت اور الفت آجاتی ہے، اور رحمت کے لفظ میں ہر طرح کی ہمدردی، مہربانی اور غم گساری شامل ہے، اور سکون کے لفظ میں ہر طرح کا سکون خواہ وہ جنسی سکون ہو یا ذہنی و قلبی، اس میں شامل ہے۔ قرآن نے ایک لفظ سکون میں ان سب کا پورا دفتر سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ قرآن نے دوسری جگہ اس تعلق کو لباس کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے لیے اس سے بہتر تعبیر ممکن نہیں ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ)

وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

لباس کا لفظ بڑا جامع ہے۔ اس میں درجنوں معنی پوشیدہ ہیں۔ لباس آدمی کے جسم کو چھپاتا ہے، اس کو زینت دیتا ہے، اس کی حفاظت اور خوبصورتی کا ذریعہ بنتا ہے، سردی اور گرمی کے اثرات سے بچاتا ہے۔ لباس جوڑے کے تعلق کو بہت کچھ واضح کر دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے دونوں ایک دوسرے کے پردہ پوش ہوں،

چاہیئے، ایک دوسرے کی زینت و آرائش ہونا چاہیئے، اُن کے جسم و جان میں ہر
اتصال ہونا چاہیئے جو بیوی اور شوہر کے درمیان ہوتا ہے۔ ہر ایک کو دوسرے
کی تکلیف و مشقت کا احساس اور اس سے بچانے کا خیال ہونا چاہیئے۔

(۳) حدود اللہ کی تعمیل | نکاح کی تعلیم کا آخری جز یہ ہے کہ یہ تعلق خدا کے مقرر کردہ حدود
کا قائم کرنے کا سبب ہو، ان کے توڑنے کا سبب نہ ہو۔ اس لئے طلاق دینے کے
کے وقت حدود اللہ کے قیام کی تاکید کی گئی ہے۔

اَنْ یَّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ (البقرہ) یہ کہ دونوں حدود اللہ کو قائم رکھ سکیں۔

نکاح و طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے۔

وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ جو لوگ اللہ کے قائم کردہ حدود سے
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ) تجاوز کریں گے وہ ظالم ہیں۔

اس آیت سے مسلمانوں کے لیے کافروں سے رشتہ مناکحت حرام قرار دیا ہے
کیونکہ کافر حدود اللہ کے قیام کی فکر نہیں کرتے، اس لئے شرعاً نہ
مشرکہ سے نکاح حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہوئے کہا گیا ہے۔ اگر یہ کہ وہ ایمان لے آئے
نکاح نہ کرو کیونکہ

اُولٰٓئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں
وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّۃِ اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت
وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ (البقرہ) کی طرف بلاتا ہے۔

[illegible] کے ذریعہ عفت و عصمت کی حفاظت ہونی چاہیئے۔
[illegible] محبت کی شمع پیدا ہونی چاہیئے جو زوجین کا تبادلہ ہونا چاہیئے۔ اس کے ذریعہ
یہ تعلق دیرپا ہوں گے۔ بول تو اس رشتے کو باقی رکھنے سے بہتر ہے کہ اس کو ختم کر لیا
جائے۔ ختم کرنا چاہیئے جس کے ذریعہ یہ مقاصد پورے ہوتے ہوں مگر اس رشتے
کے ہوتے ہوئے عفت و عصمت کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔

فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ۔ تو مناسب طریقے پر روک لیا جائے
یا حسن سلوک کے ساتھ جدا کر دیا جائے۔

فَاِمْسَاكٌ بِحُسْنٍ بِمَعْرُوْفٍ ۔ اگر نباہ تو اچھے طریقے سے روکے۔

فَتَسْرِيْحٌ بِحُسْنٍ بِمَعْرُوْفٍ ۔ چھوڑنا طریقے پر جدا کر دے۔

چنانچہ فقہاء کا بھی یہ مسلک ہے کہ جب زوجہ سے عورت کو یہ خطرہ ہو
[illegible] عفت و عصمت کے محفوظ نہ رہنے کا یقین ہو جائے تو پھر فرقت ہے۔ اور اگر
[illegible] باتوں کا گمان غالب یا یقین نہ ہو تب بھی نکاح کرنا سنت ہے لیکن اگر
مرد کو یہ گمان یا یقین ہو کہ وہ عورت کے حقوق ادا نہ کر سکے گا تو اس کو نکاح کرنا
مکروہ تحریمی ہے، اور اگر اس کو عدم ادائیگی حقوق کا یقین ہو تو پھر نکاح کرنا حرام
ہے۔ (درمختار)

اوپر ذکر آچکا ہے کہ سول قانون منا کحت میں جنائی خلاف ورزی پر سزا دینے کی

[illegible] اور جتنی قانونی قیدیں لگائی گئی ہیں ان سب کا مقصود یہ ہے کہ اس تعلق کے ذریعہ ایک ایسا خاندان معاشرہ بنا سکے جس کے افراد میں محبت و پاکبازی ہو، الفت و محبت ہو، ہمدردی و غمگساری ہو، خدا کے حدود و قیود کا لحاظ ہو، اور بندوں کے حقوق کا پورا پورا خیال و پاس بھی ہو اور یہ مقصود اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب رشتۂ نکاح کے ذریعے وہ مقاصد پورے ہو سکیں جن کے پورا کرنے کے لیے اسلام نے نکاح کی اجازت بلکہ ترغیب دی ہے۔ آگے عورت و مرد کے حقوق و فرائض کی مزید تشریح کی جائے گی اور بتایا جائے گا کہ دونوں کو اپنے اندر کون سی اخلاقی خوبیاں پیدا کرنی چاہییں کہ ان میں سے کسی کی شیشۂ دل غبار آلود نہ ہونے پائے۔

رشتۂ نکاح کی فضیلت و اہمیت اور اس کے اخلاقی و قانونی مقاصد بیان کرنے کے بعد اب اسلامی قانون مناکحت کی طرف آیا اور اس کی قانونی قیدوں اور شرطوں کی مکمل تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ [illegible] نکاح کا قانونی طریقہ [illegible] ہے کہ [illegible] عورت سے نکاح کرنا چاہے [illegible] کہ [illegible] کہا جائے کہ [illegible] اس کے بعد [illegible]

جائے تو کیا ان کے الفاظ کو ایجاب اور قبول سے منعقد ہونے والا نکاح کہا جائے گا؟ لیکن یہ ذہول لفظ جو عورت یا مرد کی زبان سے نکلے ہیں وہ کہیں گئے نہیں بلکہ یک عہد کا اقرار اور ایک مضبوط بندھن ہیں اس لیے اسلامی شریعت نے ایجاب قبول کے ساتھ کچھ اور شرطیں اور قیدیں بھی لگا دی ہیں۔ تاکہ دونوں پوری سنجیدگی کے ساتھ سوچ سمجھ کر ان کو اپنی زبان سے ادا کریں اور پھر ان پر قائم رہیں۔

گواہوں کی موجودگی: (۱) ایجاب و قبول کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ یہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر نہ ہو، بلکہ کم سے کم دو بالغ مسلمان گواہوں کے سامنے کیا جائے، اگر دو مرد مسلمان گواہ کسی وجہ سے نہ مل سکیں، تو کم سے کم ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے، اگر ایجاب و قبول کے وقت کوئی مرد نہ ہو، بلکہ صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، خواہ وہ دس بیس عورتیں کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح اگر دونوں گواہ یا ان میں سے ایک گواہ نابالغ یا پاگل ہو تو بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔

(۲) گواہوں کے سلسلے میں ضروری شرط یہ بھی ہے کہ دونوں گواہ ایجاب و قبول کے وقت موجود ہوں اور ایجاب و قبول کے الفاظ اپنے کانوں سے سن رہے ہوں۔ (۳) اگر عورت کے گواہ جانتے ہوں تو پھر اس کا نام لے کر یہ کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں کا نکاح ہو رہا ہے اور اگر نہ جانتے ہوں تو پھر اس کے باپ یا دادا کا نام

لے کر گواہوں کو بتا دیا جائے کہ فلاں عورت کا نکاح ہو رہا ہے۔

(۴) عورت کو مرد کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ کس مرد سے اس کا نکاح ہو رہا ہے اور مرد کو عورت کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ کس عورت سے اس کا نکاح ہو رہا ہے؟۔

(۵) اگر مرد اور عورت دونوں بالغ ہیں تو اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ دونوں دو گواہوں کے سامنے خود ایجاب و قبول کر لیں۔ ان صورت میں ان دونوں کو بھی ایک دوسرے کے الفاظ کا سننا ضروری ہے اور گواہوں کو بھی۔ اگر خود نکاح نہیں کر رہے ہیں، بلکہ عورت کی طرف یا مرد کی طرف سے کوئی دوسرا بحیثیت وکیل نکاح پڑھا رہا ہے، تو اس وکیل کو گواہوں کی موجودگی میں اس مرد یا عورت کی اجازت کو دوسرے کانوں تک پہنچا دینا چاہیے۔ کرانے والے کو اچھی طرح متوجہ ہو جانا چاہیے کہ دونوں کس کو قبول کر رہے ہیں۔

ایجاب و قبول کے الفاظ ماضی ہوں یا حال

ایجاب و قبول کے الفاظ ماضی ہونے چاہییں۔ یعنی اگر مرد و عورت خود نکاح پڑھ رہے ہیں تو مرد کو اس طرح کہنا چاہیے کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا، اور عورت جواب میں کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اسی طرح اگر ایک نے حال کے صیغے سے کہا کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں، دوسرے نے کہا میں نے قبول کیا، یا ایک نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے کیا، دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو صحیح ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ

نہیں ہو سکتا، عام حالت میں تحریری ایجاب وقبول نہ کرنا چاہیے، لیکن اگر اس کی کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو پھر اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایجاب کی تحریر جو زید نے عمر کو لکھی ہے دو گواہوں کے سامنے عمر خود یا عمر کے ولی پڑھ کر سنا دیں اور پھر ان دو گواہوں کے سامنے عمر اپنی رضامندی کا اظہار زبانی کرے، یعنی یہ کہہ دے کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے، یا میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن ایجاب کی تحریر میں لڑکے یا لڑکی کا پتہ، نشان اور مہر کا تذکرہ ضروری ہے اب اگر اس قبول کی اطلاع زید کو تحریر کے ذریعے دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ غرض یہ ہے کہ ایجاب کو یا قبول کو زبانی ہونا ضروری ہے۔ دونوں کو تحریری نہ ہونا چاہیے۔ اس صورت میں بھی گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

وکیل کے ذریعہ نکاح کا طریقہ: جس طرح کوئی بالغ مرد عورت خود دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کر سکتے ہیں اسی طرح کسی کو اپنا وکیل یعنی نمائندے کے ذریعے بھی نکاح ہو سکتا ہے لیکن وکیل کے ذریعے اسی وقت نکاح صحیح ہو سکتا ہے۔ جب بالغ مرد یا عورت خود اپنی زبان سے اجازت دے دے، یا بالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے وکیل کو صراحۃً یہ اجازت دے دے کہ میری لڑکی یا بہن کا نکاح فلاں سے کر دیا ہے۔

خاموشی اجازت نہیں ہے: عام طور پر کنواری لڑکیوں کی خاموشی کو اس کے رضا کو اجازت سمجھا جاتا ہے، ان کی خاموشی اور ان کا رونا دھونا کے لیے

[illegible]

[illegible]

منظور ہے۔

[illegible] کو نکاح کرانے ہیں، تو وہ کسی ایک آدمی کو وکیل بنا کر بھیج دیتے ہیں، اور وہ جا کر کہتا ہے کہ میں بحیثیت وکیل آپ کا نکاح [illegible] سے اتنے مہر پر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اجازت دیتی ہیں؟ عورت خاموش رہتی ہے، وہ عورتیں زبردستی اس سے ہنس بول کر لیتی ہیں۔ اب وہ وکیل [illegible] کہتا ہے کہ ان گواہوں کے سامنے مجھے فلاں [illegible] وکیل بنایا ہے، اور میں آپ کا نکاح پڑھاتا ہوں، پھر وہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے وکیل مقرر کر دیتا ہے، اور وہ اسی طرح اس وکیل کے سامنے وکیل بن کر یہی سب دہراتا ہے، یہ دونوں طریقے صحیح نہیں ہیں۔ چاہے طریقہ [illegible] ہے کہ آدمی میں خود اجازت نہیں دیتی، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زید کو بکر کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنانے کا حق نہیں ہے۔ اور یہ دونوں ہی ممکن ہے تو آپ سے اجازت لے کر دوسرے کو نکاح پڑھانے کے لیے وکیل بنانا بھی منظور کیا جا سکتا ہے۔

اجازت کا صحیح طریقہ: عورت اگر یہ کہتی ہے، تو فلاں سے اجازت

پوچھنا سمجھا جائے گا۔ (ہدایہ)

نے اجازت دی یا مجھے منظور ہے۔

نہ سب نابالغ ہوں تو ان کے لڑکے یعنی باپ کے چچازاد بھائی ؛ چچا ولی ہوگا
ہوں مگر بالغ ہوں تو پھر سگا چچا ولی ہوگا، اگر سگا چچا نہ ہو تو سوتیلا چچا
باپ کا سوتیلا بھائی، اگر یہ نہ ہوں تو پھر سگے چچا کا لڑکا، پھر سوتیلے چچا کا لڑ
اگر یہ سب نہ ہوں تو پھر اگر باپ یا دادا کا سگا یا سوتیلا چچا ہے، تو وہ ولی ہو
گر یہ نہ ہوں تو ان کے لڑکے یعنی باپ کے چچازاد بھائی ؛ چچا ولی ہوں گے
اگر مذکورہ بالا لوگوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر ماں ولی ہوگی، ماں نہ ہو تو
نی، پھر نانی، پھر حقیقی بہن پھر سوتیلی بہن یعنی باپ شریک بہن
ماں شریک سوتیلے بھائی بہن یعنی جن کے باپ تو وہوں، ماں ایک ہو، پھ
پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ وغیرہ پھر بھتیجی، زد بھائی، ماموں زد بھائی، پھوپھی
بھائی وغیرہ۔

نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا حکم ؛ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کو شریعت نے یہ حق دیا ہے، کہ وہ جس معقول مسلمان لڑکی ؛ لڑکے سے چاہیں نکاح کریں ولی کی اجازت کی ان کو ضرورت نہیں ہے۔ خواہ ولی اس رشتے کو پسند کریں یا نہ کریں ؛ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر ولیوں کو ولایت مستحبہ حاصل ہے۔ لیکن اگر انھوں نے ایسی بے میل شادی کر لی ہے جس کی وجہ سے ولی ناخوش ہے تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا بے میل یعنی غیر کفو میں شادی کی تفصیل آگے آتی ہے

(۲) اگر کسی بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ولی نے ان سے پوچھے بغیر کر دیا

[illegible]

(۳) اگر ولی نے بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کر دیا، پھر ولی نے خود یا ان کے بھیجے ہوئے کسی آدمی نے لڑکے یا لڑکی کو یہ خبر کر دی کہ تمہارا نکاح فلاں سے کر دیا گیا ہے تو اگر یہ لڑکی کنواری ہے تو اس کی خاموشی اجازت سمجھی جائے گی، لیکن اگر یہ لڑکا ہے یا ہیجڑا یا مطلقہ عورت ہے تو ان کا زبان سے اجازت دینا یا اپنی خوشی یا ناخوشی کا اظہار کرنا ضروری ہے، لیکن اگر یہ خبر دینے والا خود ولی یا ولی کا بھیجا ہوا آدمی نہیں ہے، بلکہ ایک تیسرے آدمی نے یہ خبر دی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ خبر دینے والا ایک دیندار اور معتبر آدمی ہے، یا دو آدمی ہیں تو اس صورت میں کنواری لڑکی کی خاموشی اس کی رضامندی سمجھی جائے گی، دوسرے یہ کہ خبر دینے والا آدمی معتبر نہ ہے، تو پھر کنواری کے خاموش رہنے سے اس کی اجازت نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ زبان سے اس کی مرضی معلوم کرنی ضروری ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غیر معتبر آدمی کی بات کو

[illegible]

جس عورت کا شوہر کئی زمانوں سے لاپتا ہو، اگر اس عورت کے
اولیاء نکاح ثانی کا مشورہ دیں اور وہ عورت بھی
نہیں کہ شوہر کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔

[illegible]

کے متعلق بھی خود عورت نہیں بلکہ ان کے اولیاء نکاح جہاں چاہیں زبردستی
ان کا نکاح کر دیتے ہیں اور عورت کو اجازت لینے کا حق نہیں ہوتا۔
وہ زبردستی جہاں چاہیں نکاح کریں، اور نہ ہی عورت کو قانون کا کوئی
ذریعہ حاصل ہے کہ وہ نکاح جس سے چاہے کر دے۔ بعض
عورتیں ایسی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کے ظلم سے تنگ آ کر گھر چھوڑ دیتی ہیں
اور دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ ان
کا نکاح عدالت سے فسخ کرا دے۔

[illegible] اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ہو
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

حق باقی نہیں رہے گا۔

ولایت اجبار کی شرائط اوپر ذکر آچکا ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی پر ولایت اجبار اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ ان کا کیا ہوا نکاح لڑکے اور لڑکی بالغ ہونے کے بعد رد نہیں کرسکتے۔ یعنی وہ اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اگر یہ ولایت اجبار نہ ہو تو نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح بے جوڑ جگہ کردیا تو یہ نکاح صحیح نہیں سمجھا جائے گا۔

(۱) اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص بالکل اور بہت زیادہ شرم نہ محسوس ہو۔ اگر ایسا شخص نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح بالکل بے جوڑ جگہ کردے تو یہ نکاح صحیح نہیں سمجھا جائے گا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ لالچی قسم کا نہ ہو۔ یعنی اس کے بارے میں گمان یہ ہو کہ وہ لالچی ہے یا یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے لالچ میں آکر فلاں جگہ شادی کردی ہے تو یہ نکاح بھی باطل ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ہوش و حواس کی حالت میں اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرے۔ اب اگر نشے کی وجہ سے یا شدید مرض کی وجہ سے یا جنون کی وجہ سے اس کے ہوش و حواس ہی درست نہ ہوں تو یہ نکاح بھی باطل ہوگا یعنی سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا ہی نہیں۔

ولایت اجبار کی وجہ باپ دادا چونکہ اپنے لڑکے اور لڑکی کے بہتر

نہیں ہوسکتے اس لیے ان کو ان کے بارے میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

دین یعنی وہ مسلمان ہے۔ اور تقویٰ یعنی وہ ہر اخلاق اور رویہ کو اختیار نہ کرے جو
دین کے منافی ہو۔ اس طرح شرف مساوات کے پیش نظر ائمہ ثلثہ نے دین و اخلاق کے
علاوہ دوسری چیزوں میں بھی برابری کا لحاظ کیا ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
کے نزدیک ایک مسلمان کے لیے اصل چیز دین و تقویٰ ہے۔ اس سے برتر کوئی
چیز نہیں ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز مناسبت ہی۔ اس لیے ان کے بعد اب دوسری
کسی چیز کے لحاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک ائمہ ثلثہ کی رائے کا تعلق
ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھوں نے اسلام سے ذہنی اور عملی رشتہ کو
قرار نہیں دیا ہے بلکہ انھوں نے دین کے ساتھ بعض دوسری چیزوں کا لحاظ
اس لیے کیا ہے کہ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا بالکل خیال نہ کیا جائے تو
میاں بیوی میں مودت و رحمت کی روح پیدا نہیں ہوتی۔ ایسا نہیں ہے کہ ائمہ
ثلثہ ایک ممتاز صدیقی خاندان کے فاسق و فاجر لڑکے کو دوسرے کسی غیر ممتاز صدیقی
یا فاروقی خاندان کے نیک و دیندار لڑکے پر ترجیح دیتے ہوں، بلکہ ان کے نزدیک
ایک خاندان میں بھی اسی لڑکے کو ترجیح دی جائے گی، جو دیندار ہو، اور جس کا
اخلاق و کردار اچھا ہو۔ کفاءت میں ائمہ ثلثہ نے جن چیزوں کا لحاظ کیا ہے ہم
ان تینوں ہر ایک کی تشریح کرنے کے بعد پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے
اور ان کے دلائل کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

(۱) اسلام یعنی عورت و مرد کے رشتۂ نکاح میں سب سے پہلی جو چیز دیکھی

جائے گی، نہ یہ ہے کہ دونوں حقیقت کے لحاظ سے مسلمان ہیں یا نہیں۔ اگر رشتۂ اسلام ان دونوں میں نہیں ہے تو پھر رشتۂ نکاح قائم نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص جو قدیم کافر یا مشرک ہے، یا مسلمان کے گھر میں پیدا ہوتے ہوئے اس نے اسلامی عقیدہ کا انکار کر دیا ہے۔ رشتۂ نکاح کے مسئلے میں دونوں برابر ہیں، ان سے یہی نہیں کہ رشتۂ نکاح نہیں قائم ہو سکتا، بلکہ یہ نکاح کے سلسلے میں گواہ اور گواہ بھی نہیں بن سکتے۔

(۲) دیانت و تقویٰ میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی شرعی عقیدے کے اعتبار سے تو مسلمان ہے مگر اس کا عمل اس کے عقیدہ و فکر کے خلاف ہے، تو وہ لڑکی یا لڑکا اس لڑکی یا لڑکے کے برابر نہیں ہو سکتے جس کا عقیدہ بھی درست ہو اور عمل بھی۔ جو شخص اعتبار سے کبھی مسلمان ہو اور عملی اعتبار سے بھی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ:-

لِأَنَّهُ مِنْ أَخَسِّ الْمَفَاخِرِ	کیونکہ دیانت و تقویٰ سے زیادہ عزت
وَالْمَرْأَةُ تُعَيِّرُ بِفِسْقِ الزَّوْجِ	اور کوئی چیز نہیں ہے عورت کے لیے شوہر کے کمتر
فَوْقَ مَا تُعَيِّرُ بِضَعَةِ نَسَبِهِ	ہونے میں جتنا عار ہے اس سے زیادہ

ہدایہ ج ۲، ص ۳۰۱

سے فاسق ہونے کا عار ہے عورت کے لیے شوہر میں۔

غور کیجیے کہ وہ فقہاء جنھوں نے رشتۂ نکاح میں نسب کا لحاظ کیا ہے، انھوں نے بھی اسلام پر عقیدے کے ساتھ اس کے مطابق عمل کو کتنا ضروری قرار

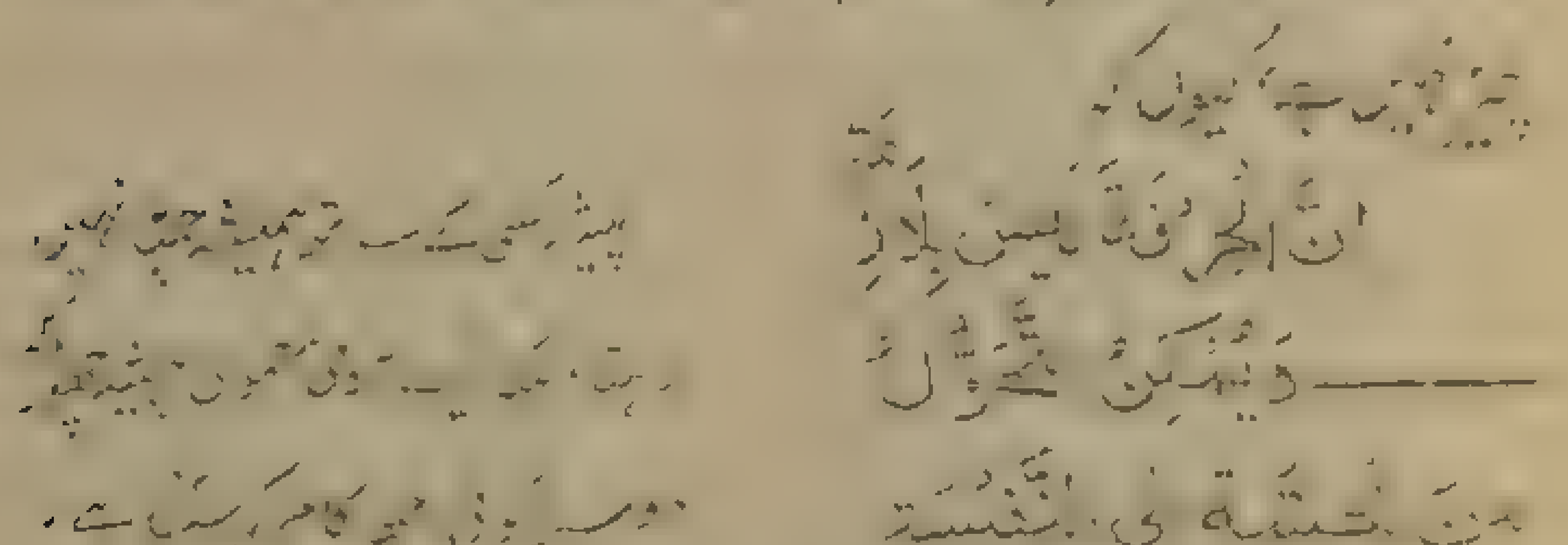

گیا ہے۔ یعنی کسی خاندان کو برادری کا ہے، اور نہ ہی یہ بات
کہی گئی ہے تو آپس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ شرف
اور فضیلت دائمی نہیں، بلکہ اضافی ہے۔ یعنی یہ سمجھ لینا کہ اس خاندان کے
کا فرد جو پیدا ہو گیا، وہ ہمیشہ ذلیل رہے گا، اور ایک دوسرا خاندان کے فرد جو پیدا
ہو گیا وہ ہمیشہ اور ہر حال میں معزز ہی رہے گا، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ شرف
فقط نظر سے نسب کا یہ شرف اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اس میں شرف
فضیلت کے اوصاف باقی رہیں۔ عام طور پر ہندوستان و پاکستان میں
برادریوں اور خاندانوں کی پیشے اور معاشرت کے اختلاف کی وجہ سے
مستقل تقسیمیں ہو گئی ہیں۔ مثلاً کوئی سید ہے، کوئی شیخ ہے، کوئی مغل
کوئی پٹھان ہے، کوئی جولاہا ہے، کوئی کنجڑا، اور کوئی درزی ہے۔ ان
تقسیموں کو ایک ہی مستقل چیز سمجھ لیا گیا ہے کہ خواہ دوسری برادری اور خاندان
کا کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا اور صالح لڑکا ہو اس کا نکاح دوسری برادری
کی لڑکی سے کرنا ننگ و عار سمجھا جاتا ہے۔ یہ اسلام کی روح کے بالکل منافی
ہے، اور بعض فقہا نے اس کا اعتبار کیا ہے لیکن ہمیں کبھی اس کو کوئی دینی چیز
نہیں سمجھنا چاہیئے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں مذکور ہے کہ
اگر حجام، کپڑے والا، اپنا پیشہ چھوڑ کر تجارت کرنے لگے تو اگرچہ خصوصیات
جن کی بنا پر اس کی حیثیت کو کم تر سمجھا جاتا ہے اس میں باقی نہ رہیں، تو پھر وہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يَقُوْلُ اَنَّ مِثْلَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ وَغَیْرِهِمَا مِمَّنْ لَیْسَ بِعَرَبِیٍّ اِنَّهٗ لَا یَکُوْنُ کُفْوًا لِبِنْتِ تُرْکِیٍّ جَاهِلٍ اَوْ لِبِنْتِ عَرَبِیٍّ بَوَّالٍ عَلَی عَقِبَیْهِ (ج ۲، ص ۴۹۹)

کہ امام ابوحنیفہؒ اور حسن بصریؒ جیسے ائمہ جو عربی النسل نہیں ہیں، وہ کسی جاہل ترکی کی لڑکی کے کفو نہیں ہو سکتے، یا اس غیر مہذب عربی کے کفو نہیں ہو سکتے جو پیشاب کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔

پھر لکھا ہے کہ اسی رائے کو ابن ہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے اور پسند کیا ہے۔

ان تصریحات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جن فقہاء نے نسب، مال اور پیشے کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک بھی ان کی حیثیت مستقل نہیں بلکہ اضافی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان وغیرہ میں کام اور پیشہ کی وجہ سے برادریوں اور خاندانوں کی جو مستقل طور پر تقسیم ہو گئی ہے، اور یہ تقسیم مستقل اور دائمی طور پر عزت اور شرف کا سبب بن گئی ہے، وہ اسلامی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے، اور اس میں آہستہ آہستہ تبدیلی کی ضرورت ہے، مگر یہ تبدیلی بتدریج ہونی چاہیے، خاص طور پر زبان کے ساتھ مزاج اور طرز معاشرت وغیرہ کو یکسر نظر انداز کر دینے میں دوسرے مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ ہے اور اس سے اچھے اور پاکیزہ خاندان کی بنیاد پڑنے کے بجائے اس میں کمزوری

تقسیم کی گئی ہے۔ اس لیے اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ مگر بہتر اور پسندیدہ

اور اچھا کیا ہے اس کا نقطۂ نظر: امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام

نے اگر کسی انسان کو شرف و عزت کا مستحق قرار دیا ہے تو وہ دین و تقویٰ

کی بنا پر ہے۔ حسن نسب وغیرہ کی بنا پر کسی کو حقیقی عزت و شرف قرار نہیں

گیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى	ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ	مختلف قوموں اور خاندانوں میں بانٹا
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	تاکہ تم میں امتیاز کی وجہ سے ایک دوسرے
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (حجرات)	کو پہچان سکو۔ شک یہ ہے تم میں سے

وہی زیادہ معزز و مکرم ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔

یعنی جغرافیائی تقسیم کی وجہ سے یا اختلافِ زبان کی وجہ سے یا تمدن کی ایک بنیادی خصوصیت

کی وجہ سے جو لوگ مختلف گروہوں اور قبیلوں میں بٹ گئے ہیں، وہ تقسیم

محض ایک تعارف کے لیے ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانا اور اس کی خصوصیات

کو معلوم کیا جا سکے۔ اس تعارف ہی کی وجہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون

قریب ہے اور کون بعید ہے اور اسی علم کی بنا پر حقوق کی ادائیگی کی ذمے داری

ڈالی گئی ہے۔ ورنہ یہ تقسیم کسی شرف و عزت کا ذریعہ نہیں ہے، نہ مغربی کو

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔

اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے

اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے

کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ گورے کو

کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر فوقیت

کی وجہ سے۔ تمام انسان آدم کی اولاد

اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

[illegible]

[illegible] پیغام [illegible]

[illegible] پہنچا دیں۔ اسے بھی فرمایا کہ [illegible] یہاں موجود ہیں ان باتیں ان

[illegible] غور کیجئے کہ آپ نے کتنی اہمیت

کے ساتھ یہ بات فرمائی تھی۔

آپ نے ایک بار فرمایا کہ

اُن [illegible] فلاں قبیلہ و خاندان کے لوگ میرے

[illegible] محبوب اور دوست ہیں اور میرے

[illegible] دوست اور محبوب پرہیزگار لوگ ہیں۔

[illegible] پھر وہ جہاں کہیں

بھی بستے ہوں۔

آپ نے خود غیر قبیلہ میں شادی فرمائی، حضرت زینب کی شادی حضرت

زید سے کی اور ان کے منسوب کرنے سے حضرت عائشہ کی شادی کا بھی بہت

سے لوگ، حالانکہ یہ دونوں شادیاں قریشی اور ہاشمی خاندان میں

ہوئیں، ہی نسبی فخر کرنے کا پیشہ کرتے تھے۔ یہی تھا مگر آپ نے

حبشی نسب کہ کیلئے کی شادی اپنے ایک سے کردہ سی طرح حضرت بلال رضؓ

حبشی کی شادی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

ممتاز تربیتی خاندان کے فرد تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ اصل چیز دین و تقویٰ ہے، رشتہ کے لیے دوسری چیزیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں، مگر دین و تقویٰ کے ساتھ اگر یہ چیزیں تقویٰ کے ساتھ حسب، نسب، حسن و جمال، مال و دولت بھی جمع ہو جائیں تو یہ منافقہ نہیں ہے، مگر دین و تقویٰ کے مقابلے میں دوسری چیزوں کو ترجیح دی جا سکتی، یعنی اگر ایک طرف ایک غریب نادار مگر صاحب دین و تقویٰ لڑکا ہو اور دوسری طرف ایک صاحب مال و دولت لڑکا ہو مگر وہ تقویٰ سے عاری ہو، تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دولت و وجاہت کے مقابلے میں اس غریب کو ترجیح دے جس کے ساتھ دین و تقویٰ کا اعزاز لگا ہے۔

چنانچہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

اِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلٰى دِيْنِهَا وَ مَالِهَا وَجَمَالِهَا فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (مسلم، ترمذی)

عورت یا تو اپنے دین و اخلاق کی خوبی کی بنا پر پسند کی جاتی اور شتہ نکاح میں لائی جاتی ہے یا اس کی دولت کی بنا پر یا حسن و جمال کی بنا پر تو تم لازماً دین و اخلاق والی عورت کو نکاح کے لیے منتخب کرو۔

آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ دین و اخلاق کی بنا پر شتہ کو پسند کرتے ہیں اور کچھ لوگ دولت و ثروت اور ظاہری حسن و جمال کی بنا

تو آپ یہ تاکید فرماتے ہیں کہ اولیں چیز دین ہے اور تمام مسلمانوں کو پہلے یہی چیز دیکھنی چاہیے۔ دوسری چیزیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں، مگر دین و اخلاق کے بعد۔

نتیجہ امام مالکؒ کے اس نظریے کے اعتبار سے ایک ہی خاندان کے دو لڑکے، لڑکی غیر کفو ہو سکتے ہیں اور دو برادری اور دو خاندان کے دو لڑکے لڑکی کفو ہو سکتے ہیں، کیونکہ اگر ایک ہی برادری یا خاندان کی ایک لڑکی ایسے گھر کی پروردہ ہے جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل موجود ہو اور اسی خاندان کا ایک لڑکا ہو جس کے والدین اور وہ خود دین و اخلاق اور علم و فضل سے عاری ہیں تو خاندان کے اشتراک کے باوجود اس لڑکی کے لیے یہ جاہل اور بے اخلاق لڑکا کفو نہیں ہو سکتا اور اس کے برخلاف اگر یہ دونوں دو برادری یا دو خاندان کے ہیں مگر دونوں میں دین و اخلاق اور علم و فضل کے اعتبار سے ہم آہنگی ہوئی تو دونوں ایک دوسرے کے کفو ہو سکتے ہیں نتیجے کے اعتبار سے یہی مقصود ائمہ ثلثہ کی رائے کا بھی ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے

ایک حدیث اوپر گزر چکی ہے، کہ آپؐ نے فرمایا کہ کسی کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو پھر اس کا نکاح اپنی لڑکی سے کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا

تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ — زمین میں بڑا فتنہ و فساد رونما ہوگا۔

اس ارشاد نبویؐ کو سن کر صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! عورت میں

کفو اور نسب کے مسائل | نسب کا اعتبار کس کی طرف سے ہوگا

یہ بات قرین قیاس ہوتی ہے کہ نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوگا، اس لئے کہ عام طور پر عورتیں اپنے خاندان یا آس پاس کے خاندان میں شادی کرتی ہیں، اس لئے اولاد کا نسب ماں کے خاندان سے ملانا مشکل ہوگا، جو لوگ نسب کی ماں کی طرف سے ہونے کی بات کہتے ہیں، ان کے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو ان کی بنیاد کمزور نظر آتی ہے، ان کی طرف سے جو آیت پیش کی جاتی ہے اس میں ارکان و شرائط بیان کئے گئے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نکاح ہو ہی نہیں سکتا، لیکن ان کے علاوہ نکاح کے لئے بعض اور شرائط بھی ہیں، جن کو فقہاء نے بیان کیا ہے، اور اگر غلطی سے وہ شرائط پوری نہیں ہوتیں، تو ان کا باقی حکم نہیں بدلتا ہے، ان ہی شرائط میں سے ایک شرط نسب کی ہے، اگر نسب ثابت نہ ہو تو نکاح کے باقی احکام پر اثر نہیں پڑتا، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا شوہر نامرد ہے، اس کے باوجود اس کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے، تو اس بچہ کا نسب اس شوہر سے ثابت ہوگا، اور اس کی وراثت بھی جاری ہوگی، اور اس کے لئے بھی وراثت جاری ہوگی، اسی طرح اگر کسی عورت کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا شوہر سے کوئی تعلق نہیں ہوا ہے، اس کے باوجود اس کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے، تو اس بچہ کا نسب اس شوہر سے ثابت ہوگا، اور اس کی وراثت بھی

[illegible]

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مہر مقرر کیے بغیر اپنا نکاح نہ کرنا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ کو مہر دلایا۔

مہر کی تعریف: وہ رقم جو مرد نکاح کے وقت عورت کو فوراً ادا کرے یا بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کرے، اس کو مہر کہتے ہیں۔ مہر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مہر معجل (۲) مہر مؤجل۔ مہر معجل وہ ہے جو نکاح کے وقت فوراً ادا کیا جائے۔ مؤجل کے لفظی معنی وقت دینے کے ہیں۔ یعنی جس مہر کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت اور مدت مقرر کر دی گئی ہو۔

مہر کی کوئی خاص مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ مہر زیادہ نہ ہو۔ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔ اور جس کو نکاح کے وقت فوراً ادا نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی ادائیگی کا وعدہ کر لیا جائے، اس کو مہر مؤجل کہتے ہیں۔ مؤجل اصل سے بنا ہے۔ اجل کے لفظی معنی وقت اور مدت کے ہیں۔ اور مؤجل کے معنی ہیں وقت مقرر کیا ہوا۔ یعنی جس مہر کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا گیا ہو۔

مہر کی کوئی خاص مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ مہر زیادہ نہ ہو۔ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔ اور جس کو نکاح کے وقت فوراً ادا نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی ادائیگی کا وعدہ کر لیا جائے، اس کو مہر مؤجل کہتے ہیں۔ مؤجل اصل سے بنا ہے۔ اجل کے لفظی معنی وقت اور مدت کے ہیں۔ اور مؤجل کے معنی ہیں وقت مقرر کیا ہوا۔ یعنی جس مہر کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا گیا ہو۔

مہر کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے کہ اگر نکاح کے وقت فوراً مہر کا تعین نہ کیا گیا ہے تب بھی نکاح ہو جائے گا۔ مہر مثل کی تعریف آگے آ رہی ہے۔

مہر شریعت سے زیادہ نہ مقرر کرنا چاہیے مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہیے جتنا شوہر سانی سے ادا کر سکے، عام طور پر لوگ زیادہ مہر باندھ

مقرر کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو عزت و فخر کی بات سمجھتے ہیں، وہ نہ صرف اس لیے کہ شوہر حیثیت کو حتی الامکان طلاق نہ دے سکے، حالانکہ یہ دونوں باتیں شرعی اعتبار سے بھی غلط ہیں، اور عقلی اعتبار سے بھی، شرعی اعتبار سے تو اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے، آپؐ نے فرمایا:-

اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً (مسند احمد)

"اتنا ہی زیادہ نکاح باعث برکت ہے جتنا تکلیف و پریشانی جتنی ہی کم ہو۔"

خود آپؐ نے اپنا مہر بہت زیادہ مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہؓ کا نکاح آپ نے بہت معمولی روپیوں پر کیا تھا۔

مہر فاطمی کی مقدار حضرت فاطمہؓ کا جو مہر مقرر کیا گیا تھا بہت سے لوگ اتباع سنت کے لیے اپنا مہر مقرر کرتے ہیں یہ مہر مقرر کرنا اتباع سنت تو ضرور ہے لیکن محض اتنا مہر کو سنت سمجھنا غلطی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار دو ہزار پر بھی اپنا نکاح فرمایا ہے اور کم بھی۔ حضرت فاطمہؓ کا مہر آپ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا اور ایک درہم ہمارے ہندوستانی وزن سے ۱/۴ تولے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار مولانا مفتی شفیع صاحب نے ۱۳۱ تولے تین ماشے چاندی مقرر کی ہے۔ یہ حساب مفتی صاحب نے بڑی تحقیق سے لگایا ہے اس لیے ۱۳۱ تولے تین ماشے چاندی کی جتنی قیمت

رہیے ؛ ذہنی سکون کے اعتبار سے ہونی مقرر کرنی چاہیے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں عجمیوں کے اثر سے لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے، تو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ لوگو! مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو۔ اگر یہ چیز دنیا میں باعث عزت و افتخار ہوتی، یا اگر آخرت میں اس کا کوئی ثواب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے پہلے اختیار کرتے آپ نے اپنی ازواج میں کسی کا مہر نہ تو ساڑھے بارہ اوقیہ[1] سے زیادہ مقرر کیا اور نہ اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا اس سے زیادہ مہر مقرر کیا۔ (مسلم)

مہر مثل | نکاح اور طلاق کے سلسلے میں بعض صورتیں ایسی پیش آتی ہیں جن میں مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا، تو یہ معاف نہیں ہوگا بلکہ عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مہر مثل سے مراد وہ مقدار ہے جو عام طور پر اس کے کنبہ و خاندان میں مقرر ہوتی ہے، خاندان سے مراد دادیہال ہے، نانہال نہیں ہے۔ مثلاً اس کی بہنوں اور

---

[1] ایک اوقیہ چالیس درہم سے ساڑھے دس تولے کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے بارہ اوقیہ کے ایک سو اکتیس تولے چاندی ہوئی۔ عام طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار سے زیادہ مہر مقرر نہیں فرماتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے یہ بات فرمائی ہے۔ ورنہ آپ کے بعض نکاح اس سے زیادہ مہر پر بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً ام حبیبہؓ کا نکاح۔ یہ بات نہ ہے کہ ام حبیبہؓ کا مہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ شاہ حبش نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے مقرر فرمایا تھا۔

ظلم اور گناہ ہے۔

عہ لیعقل ان یتقدم وقت حسن الوضو	انکار کے وقت جو ہر شخص

ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا کرنے سے انکار کر دے۔ اگر ایسا ہو تو ہم اس کو مجبور نہیں کر سکتے۔ ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اس کو ووٹ دینے سے روک دیں۔

اگر انکار کے وقت ہر شخص کو ووٹ دینے کا حق ہو تو یہ شرط لگانا درست ہے کہ جو شخص ووٹ دینے کے وقت ہر لحاظ سے اہل ہو وہ ووٹ دے سکتا ہے۔ اگر ووٹ دینے کے وقت ہر شخص کا اہل ہونا ضروری ہو تو یہ شرط لگانا درست نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہر شخص کو ووٹ دینے کا حق ہو گا۔

دے رہا ہے۔ اگر اس نے تعیین نہیں کی بلکہ یوں کہا کہ کوئی زمین یا دکان یا مکان دوں گا تو اس طرح سے مہر مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا اب اس کے بجائے مہر مثل دینا پڑے گا۔ (ردالمحتار)

(۴) اگر کسی نے صرف خدمت یا فائدے کو مہر ٹھہرایا تو یہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے یہ شرط لگائی کہ بیوی کو حج کرا دوں گا، یا تعلیم کا خرچ برداشت کروں گا، یا اس کی خدمت کے لیے ایک ملازم رکھ دوں گا، تو یہ مہر کی تعیین صحیح نہ ہوگی، بلکہ اس کو ان تمام صورتوں میں مہر مثل دینا پڑے گا۔

(۵) اگر کسی مسلمان مرد نے کوئی حرام چیز مہر مقرر کی تو یہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔

(۶) دو آدمیوں نے اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی اس شرط پر کی کہ دوسرا بھی اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی اس کے لڑکے یا لڑکی یا بہن سے کر دے، یہ تبادلہ ہی مہر سمجھا جائے گا، تو ایسا کرنا گناہ ہے۔ شریعت میں اس نکاح کو نکاحِ شغار کہا جاتا ہے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اگر اس شرط پر نکاح ہو جائے گا تو دونوں کو ایک دوسرے کو مہر مثل دینا پڑے گا مہر سے کوئی فریق بچ نہیں سکتا۔

(۷) نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں کیا گیا، مگر نکاح کے بعد میاں بیوی دونوں نے اپنی خوشی سے کچھ مہر مقرر کر لیا تو اب یہی مہر واجب ہوگا، مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔

(۸) ... مہر مقرر تھا، اور شوہر نے نکاح کے بعد کہا کہ میں
ایک سو کے بجائے ڈیڑھ سو یا ہزار کے بجائے ڈیڑھ ہزار مہر دوں گا تو اب
اس کے ذمہ اتنا ہی دینا واجب ہوگیا۔ اگر یہ نہ دے تو عورت اس سے اس کی وصولی
کا مطالبہ کر سکتی ہے، اگر وہ ادا نہ کرے گا تو گنہگار رہے گا۔ اسی طرح اگر سو یا
ڈیڑھ سو مہر مقرر تھا، عورت نے اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ معاف کر دیا تو
جب تک شوہر مر نہ جائے معاف نہیں ہوگیا۔ اب عورت طلاق کے بعد یا غصے میں
اس معاف کی ہوئی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

(۹) اگر شوہر نے ڈرا دھمکا کر یا عورت کو پریشان کر کے مہر معاف کرا لیا تو
اس سے کچھ نہیں ہوتا، جو مہر مقرر رہے وہ اس کو دینا پڑے گا۔ مہر عورت کی ملکیت
ہے، اور اپنی ملکیت کوئی شخص جب تک خوشی سے نہ چھوڑے دوسرا نہیں
لے سکتا۔

(۱۰) میاں بیوی دونوں بالغ ہیں اور دونوں میں خلوت صحیحہ ہو چکی ہے
گزشتہ ہر نام ہے، یا کوئی اور خرابی ہے جس کی وجہ سے وہ مباشرت نہیں
کر سکتا، تو اس صورت میں اگر مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے فسخ نکاح
کر لیا تو مرد کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ البتہ اگر دونوں میں سے کوئی نابالغ ہے
اور اسی حالت میں دونوں میں فسخ نکاح ہوگیا، یا طلاق ہوگئی، تو نصف مہر
واجب ہوگا۔

(۱۱) کسی نے اگر بے قاعدہ نکاح کیا اور دو نکاح کے بعد شوہر فوت ہو گیا اور دونوں بیویوں کو مہر دینا پڑے گا، لیکن اگر ان سے ہم بستری کی ہے تو اگر پہلی بیوی کا مہر ادا ہو چکا ہو تو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

[illegible]

ہو یا کوئی اور چیز ہو اور اس کے نام کوئی جائداد نہ کر دی ہو

(۱۳) اگر شوہر نے اپنی زندگی میں [illegible] بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے، مثلاً بیوی نے ادا یا ضرورت سے زیادہ مہر معاف نہیں کیا ہے، کل مہر ضرورت سے زیادہ معاف دیا ہے اس کے نام کوئی جائداد نہ کر دی ہو اس کے نام نقد روپیہ جمع کر دیا ہو اور دل میں ارادہ نہ کیا کہ یہ مہر میں دے رہا ہوں نہ اس نے اس سے کچھ لیا ہے تو سب مہر بیوی کو معاف ہو گیا ہے خواہ اپنے ارادے کو وہ عورت پر ظاہر کرے یا نہ کرے۔ اگر عورت یہ کہتی ہے کہ یہ سب مہر میں نہیں دیتا ہوں بلکہ [illegible] تو اس کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مرد کی بات مان لی جائے گی۔

حیض کی حالت میں ہو یا دونوں میں سے کوئی نابالغ ہے تو ان تمام صورتوں کی یکجائی و تنہائی خلوت صحیحہ نہیں خلوت فاسدہ کہی جائے گی۔

محارم حرمیہ: وہ لوگ جن سے نکاح کرنا حرام ہے قرآن و حدیث میں سات طرح کی عورتوں اور مردوں کا نکاح آپس میں حرام قرار دیا گیا ہے کوئی مسلمان مرد یا عورت ان سے نکاح نہیں کر سکتی۔ ایسے لوگوں کو شریعت میں محارم کہا جاتا ہے۔ یعنی جن کے رشتے کے احترام کی وجہ سے ان سے نکاح حرام ہے۔

۱۔ جن عورتوں اور مردوں کا نسبی تعلق کی وجہ سے نکاح حرام ہے (۱) نسب تعلق کی وجہ سے جن عورتوں سے ایک مرد نکاح نہیں کر سکتا۔ یا اس مرد سے یہ عورتیں نکاح نہیں کر سکتیں وہ سات طرح کی ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھانجی، بھتیجی قرآن میں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ	حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں
وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ	اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری اور پھوپھیاں تمہاری
وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ	اور خالائیں تمہاری اور بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں۔
(نساء-۴)	

اب ان تینوں میں سے ہر ایک کے تعلق کو تفصیل کی جاتی ہے۔

ماں سے مراد صرف اپنی حقیقی ماں ہی نہیں ہے بلکہ پھوپھی، خالہ

[illegible]

وہ سب تو حرام ہیں ہی اگر عورت نے حقیقی [illegible]

نے بہ اشارت کرلی ہو تو ان سے دوسری بیگمات کی [illegible]

کَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ ۔ ان عورتوں سے تم نکاح نہ کرو جن سے تمہارے

باپ نے نکاح کیا ہو یا [illegible] سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

نکاح میں شرعی حرمت کی دو ہی وجہیں ہیں جو اس کے لفظ سے پیدا ہوتی ہیں

ایک تو وہ جو ماں باپ لڑکے اور لڑکی کی بیٹیاں یعنی پوتیاں نواسیاں اور

ان سے جو بچے ہوں یہ سب حرام ہیں۔ اسی طرح اگر نانا سے کوئی لڑکی پیدا

ہوئی ہو تو وہ بھی حرام ہے اور نانا کی ماں بھی اس پر حرام ہے۔

بہن سے جو مراد حقیقی اور سوتیلی سب بہنیں ہیں یعنی جو ایک ماں باپ سے

ہوں یا دونوں کے باپ تو وہ ہوں مگر ماں ایک ہو یا دونوں کے باپ ایک ہوں

اور ماں دونوں کی جدا جدا اگر دونوں کے باپ بھی دو ہوں اور ماں بھی دو ہوں تو

یہ آپس میں بھائی بہن نہیں ہیں ان میں شادی ہوسکتی ہے

چچی خالہ اور ماں سے مراد حقیقی چچی خالہ اور ماں ہی نہیں ہیں بلکہ سوتیلی

نانی دادی بھی ان میں شامل ہیں۔ باپ کی حقیقی بہن بھی حرام ہے اور سوتیلی

بہن بھی۔ حقیقی بہن اس کو کہتے ہیں جو ایک ہی ماں باپ سے ہو۔ گو دوسرے

رشتے کی نانی یا پھوپھی ہوں تو نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اپنے حقیقی

بھتیجی یا خالہ سے، پھوپھی یا خالہ کا انتقال ہونے کے بعد نکاح کرنا۔

بھتیجی یا بھانجی سے، یعنی بھائی بہن کی لڑکی یا بھی یا اور بہن

بھائی کی لڑکیاں، اور پوتیاں اور ان کے نیچے جتنی اولاد سب حرام ہیں۔ نہ

عورت اپنے چچا اور خالہ سے، چچا یا خالہ کے انتقال سے بعد نکاح کرنا۔

تو یہ نکاح جائز ہے، لیکن چچا اور خالہ سے کبھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دو حقیقی بہنیں اور ان کی بیٹیوں سے، یعنی سگی بہنیں

سگی بہنوں کی لڑکیاں، حرام ہیں۔

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (النساء)	تمہاری بیویوں کی مائیں (یعنی ساس) اور تمہاری حقیقی یا علاتی لڑکیوں کی بیٹیاں (یعنی بھتیجیاں بھانجیاں) تم پر حرام کی گئی ہیں۔

جس طرح سگی اور علاتی بہن سے نکاح حرام ہے، اسی طرح سگی بہن کی

لڑکی سے بھی نکاح حرام ہے، اور جس طرح اپنے پوتے، نواسے کی بیوی سے شادی کرنا بھی حرام ہے، یہ

سب بھی بہو میں شامل ہیں۔

حقیقی بہن کی بیٹی سے رشتہ ناطہ کرنا۔ دو حقیقی بہنوں کی

۱۔ تین صورتوں میں بیٹے عورت کے ماں باپ، دادا کے اوپر کے تمام لوگ حرام ہو جاتے ہیں۔ یعنی کہ شریعت میں حرمت مصاہرت کہتے ہیں۔

۲۔ حرمت مصاہرت کی ایک جائز صورت یہ ہے کہ کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے مباشرت کرلی تو بیٹے اس کی ماں نانی دادی ان سب سے نکاح کرنا حرام ہو گیا اور اس مرد کے باپ دادا اس عورت کے لیے حرام ہو گئے۔ کیونکہ سب پر ان کی بیوی ہو گئی۔

۳۔ تیسری جائز صورت یہ ہے کہ کسی منکوحہ عورت سے مباشرت نہیں کی نہ اس کو شہوت سے ہاتھ لگایا تو بیٹے اس عورت کو اگر وہ طلاق بھی دے دے تو اس کی ماں نانی وغیرہ اس سے کر سکتے ہیں۔ مگر اس صورت میں بھی باپ دادا اس عورت سے نہیں کر سکتے۔ ہو گئی یہ دونوں قسم حرام ہیں۔ مگر اس صورت میں بیٹے کے لیے عورت کی ماں وغیرہ اس مرد کے بیٹے باپ دادا پر حرام نہیں ہوئی۔

۴۔ تیسری جائز صورت یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت سے نکاح کرنے کے بعد شہوت سے ہاتھ لگایا یا مباشرت کی تو بیٹے اس عورت کی ماں نانی وغیرہ اس مرد کے بیٹے باپ دادا پر حرام ہو گئی۔ اور اس مرد کے باپ دادا اس عورت کے بیٹے پر حرام ہو گئے۔

ہے کہ اس سے شادی کا جو مقصد قرآن ہے یعنی سلسلہ رحم قائم رہے پیدا ہونے بلکہ یہ بھی فتنہ و فساد کا سبب ہوتی کیونکہ سوکنوں میں تمام عمر پرورش ہوتی ہے اور یہ رقابت اس قدر بڑھتی ہے کہ خوشگواری پیدا کرنے کے بجائے ناگواری پیدا کرے گی (ردالمحتار)

قرآن اور سنت نبوی کی روشنی میں فقہاء نے اس کا ایک خاص اصول مقرر کر دیا ہے، فقہاء کا اصول یہ ہے کہ

لَا يَجْمَعُ بَيْنَ اِمْرَأَتَيْنِ — یعنی دو عورتوں کو ایک ساتھ عقد میں

لَوْ كَانَتْ اِحْدٰىهُمَا رَجُلًا — یہ نہیں لایا جا سکتا کہ اگر ان میں سے

لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى — ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری

(ھدایہ) — عورت سے اس کا نکاح جائز نہ ہو۔

مثلاً اگر دو سگی بہنیں ہوں تو ان میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو بھانجی اور خالہ کا رشتہ ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ بھائی بہن میں شادی نہیں ہو سکتی اس لیے ایسے رشتوں کی دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ان عورتوں کو جن میں بھتیجی اور چچی کا یا بھانجی اور خالہ کا رشتہ ہے ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے کیونکہ اگر بھتیجی یا بھانجی کو مرد فرض کریں تو چچی اور خالہ کا رشتہ ہوگا اور اگر چچی کو مرد فرض کریں تو بھتیجی اور خالہ کا رشتہ ہوگا۔ اسی طرح اگر پھوپھی کو مرد فرض کریں تو

[illegible] اور [illegible] کا رشتہ ہوگا، اور اگر خاوند کو طلاق دے دی جائے تو اس کی [illegible] رشتہ پیدا ہوگا، اور ان سب رشتوں میں نکاح حرام ہے۔ اس لیے ایک [illegible] ساتھ نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔

اگر ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، یا کسی ایک کو طلاق دے [illegible] تو پھر دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک عورت سے شادی کی، اور اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس کی بہن سے، خالہ سے، پھوپھی سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ [illegible] طلاق کی صورت میں بھی عدت گزرنے کے بعد یہی [illegible]

[illegible] شادی ہو سکتی ہے، پہلے نہیں۔

[illegible] تو [illegible]

[illegible]

[illegible] یعنی مقررہ وقت کا فکر ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت سے [illegible] ملاقات سے پہلے کہیں گئے تو پوری [illegible] مثلاً کسی سے [illegible] عورت سے شادی ہو گئی، [illegible] تو اس کے لیے [illegible] کرنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ نکاح نہیں سمجھا جائے گا۔

[illegible] یعنی مقررہ وقت کا فکر ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت سے [illegible] ملاقات سے پہلے کہیں گئے تو پوری [illegible] مثلاً کسی سے [illegible] عورت سے

[illegible]

آپ نے کئی بار فرمایا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

انجیل، زبور وغیرہ کتب پر ایمان رکھنے کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کتابوں کے
بھیجنے کا کچھ یقین رکھتے ہوں اور خدا اور رسالت پر بھی ان کو پورا یقین ہو۔
عام طور پر آج کل کے یہود و نصاریٰ یا حضرت داؤد کے پیرو جو
انجیل یا زبور کو ایک مستند کتاب مانتے ہیں نہ تو ان کا یقین خدا پر ہوتا ہے اور
نہ رسول پر بلکہ وہ تو حقیقتاً ملحد اور کافر ہوتے ہیں، یا ان پر شرک غالب ہوتا ہے
یا کم از کم خدا اور رسول پر ان کا یقین مشکوک ہوتا ہے، اس لیے ایسے اہل کتاب
کی کتاب جب تک اسلام نہ قبول کر لیں ان سے نکاح کرنا بہتر نہیں ہے مگر
چونکہ قرآن نے اجازت دی ہے اس لیے اس کو قطعی حرام نہیں دیا جا سکتا
قرآن نے چونکہ ان کے ساتھ نکاح کرنے میں دو باتوں کی قید لگا دی ہے، ایک یہ کہ
وہ واقعی اہل کتاب ہوں، دوسری یہ کہ وہ دامن پاک دامن ہوں، بہاں یہ
دونوں شرطیں نہ پائی جائیں گی یا ان کے پائے جانے میں شک ہوگا، ان سے
نکاح کی اجازت نہیں دی جا سکتی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی نہ عہد
خلفاء راشدین میں اس کی مثال کبھی موجود ہے۔ بعض صحابہ کے نکاح کا پتہ چلتا ہے
نکاح کیا تھا اور اس کی مثال بھی موجود ہے کہ آپ نے اور خلفاء راشدین نے
اس سے بعض صحابہ کو روکا بھی، کیونکہ نکاح کا جو قرآن مقصد بتاتا ہے اس کے
ایک اچھا خاندان پیدا ہو وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب میاں
بیوی میں الفت و محبت ہو اور دونوں کے تعلقات پاک بازی پر مبنی ہوں چنانچہ

کتاب میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ کو جو اس وقت عراق
کے میر تھے، اس سے منع کیا اور روکنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ کہیں تم بدکار
عورتوں پر مجبور پڑو۔ "لَا تُوَقِّفُوا عَلَى الْمُؤْمِنَاتِ"۔ حضرت علیؓ نجران کے
عیسائیوں سے نکاح کرنے کو اس لیے منع فرماتے تھے کہ ان پر ایمان کے بجائے شرک
غالب تھا۔

غرض یہ کہ جب تک یہ دونوں شرطیں یقینی طور پر نہ پائی جائیں ان سے
نکاح نہ کرنا چاہیے۔

نصرت۔ اگر میرا ہونے والا شوہر خدانخواستہ سلام کو چھوڑ کر کوئی اور
مذہب اختیار کرے، یا وہ خدا کا انکار کر دے تو پھر ایسے حالات میں بیوی کا رشتہ نکاح
ٹوٹ جاتا ہے۔ اب ان میں سے جو مسلمان ہو وہ فوراً اپنے کو دوسرے سے علیحدہ
رکھے۔ بہت سے نئے مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مسلمان نہیں ہوتی
تھیں۔ دراصل صحابیات نے اپنے شوہروں سے اس لیے علیحدگی اختیار کر لی
کہ ان کے شوہر نے مرتد ہو کر قبول کیے پر رضامند نہیں ہوئے۔ اور وہ مسلمان بیوی کچھ نہیں
کر سکتی۔

اگر کوئی ہندو یا مشرک میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو اب
ان کو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کا پہلا نکاح ہی کافی ہے، جیسے

[illegible] جس سے نسب کے مطابق ہوا ہو۔

۱۔ جو عورتیں کسی کے نکاح میں ہوں [illegible]

۲۔ عدت کی وجہ سے حرام ہیں [illegible]

ہوں، یا مسلمان سے نکاح میں ان سے نکاح کرنا حرام ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غلط دے دے، یا اس کا انتقال ہو جائے، تو موت کی یا طلاق کی عدت میں بھی کوئی شخص اس سے نکاح نہیں کر سکتا، طلاق کی عدت تین حیض ہے اور موت کی عدت چار ماہ دس دن۔ قرآن میں اس کی تفصیل ہے۔

۳۔ وہ عورتیں جو دوسرے کی زوجیت کی وجہ سے حرام ہیں [illegible]

جن عورتوں کو کسی نے نکاح کر کے دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہو، یا جن کا شوہر مر گیا ہو، ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، اور اگر ان کے ساتھ نکاح کر لیا ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ وطی کر لی ہو تو وہ زنا ہے، جس کی وجہ سے حد شرعی واجب ہو جاتی ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ وطی نہ کی ہو تو [illegible]

[illegible] فرمادیا ہو۔

[illegible] جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔

[illegible] رضاعت یعنی دودھ پانے کی وجہ سے

[illegible] بھی حرام ہیں۔

[illegible] بخاری کی

[illegible] کی حدیث کی بنا پر تفصیل نقل کئے دیتا ہوں

پیش کی جاتی ہے۔

[illegible] رضاعت کی تعریف اور اس کا حکم

[illegible] رضاعت یعنی بچے کو دودھ پلانے

[illegible] سے ہے یعنی جو رشتے خود دودھ پلانے یا کوئی دودھ پلانے

[illegible] دودھ پلانے سے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی عورت

[illegible] کوئی بچہ تین دن تک دودھ پیتا رہا تو اس کا حکم

[illegible] آگے اس کے باوجود

[illegible] کوئی رضاعی ماں تسلیم نہیں کی جاتی اور اس کے ساتھ

[illegible] پینے کے بعد بچہ بڑا ہو گیا اب اس عورت کا

[illegible] لیکن جو رضاعت اور دودھ پلانے کے ذریعہ

[illegible] رشتے اور ان کے احکام کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رضاعت کے

[illegible] رشتے نسب کے رشتوں کی طرح ہیں۔ جب کسی عورت کا دودھ کسی بچے کے

[illegible] پہنچ جائے تو وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور اس کے

[illegible] رضاعی بہن بھائی بن جاتے ہیں۔

اگر بچے نے عورت کی چھاتی سے منہ لگا کر دودھ نہیں پیا بلکہ عورت نے اپنا دودھ نکال کر اس کے منہ میں ڈال دیا حتیٰ کہ اگر اس کے منہ کے بجائے ناک میں بھی دودھ ڈال دیا جب بھی رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔ خواہ چند قطرے ہی کیوں نہ ڈالے گئے ہوں۔

منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور ذریعے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی	(۱) اگر منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور راستے سے

پیشاب یا پاخانے کے مقام سے یا کسی اور طریقے سے مثلاً انجکشن کے ذریعے اگر کسی عورت کا دودھ اس کے معدے یا دماغ میں پہنچ جائے تو اس سے رضاعت قائم نہ ہوگا۔

(۲) اگر کسی عورت کا دودھ پانی یا دوا میں ملا کر کسی بچے کو پلایا جائے تو اگر پانی یا دوا زیادہ تھی اور دودھ کم تھا تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر دودھ کی مقدار زیادہ تھی اور پانی یا دوا کی مقدار کم تھی تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر عورت کا دودھ گائے یا بکری یا کسی اور جانور کا دودھ ملا کر بچے کو پلایا جائے تو اگر عورت کا دودھ زیادہ تھا تو اس کا کوئی نقصان نہیں لیکن اگر جانور کا دودھ زیادہ تھا تو عورت سے بچے کی رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور ان کے نکاح آپس میں درست

نہیں ہے۔

عورت کا دودھ دوا یا غذا یا ملا ہوا دودھ نہیں پینا چاہیے، اگر کسی دودھ میں ملا ہوا
گھی نوش اب میں کھانا اور لگانا حرام ہے۔ یہی حکم کان اور آنکھ میں بھی عورت
کا دودھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔

اگر کسی خورد سال لڑکی کو جس کی عمر نو برس سے زیادہ ہے دودھ نکال کر
دودھ پیتے بچہ کو پلائے تو یہ لڑکی اس بچہ کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اس سے
رشتہ اس کے لیے حرام ہو جائیں گے۔

رضاعت کا ثبوت (۱) اگر کسی عاقل بالغ مرد نے کسی بالغ عورت کا
دودھ خود اپنے اختیار سے کسی بچہ کے دودھ میں ملا دیا، تو اس سے رضاعت
ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ دودھ نو برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت
نہیں ہوتی، اگر دودھ بالغ مرد کا عورت کا دودھ پینا حرام ہے اور سخت گناہ ہے۔

(۲) ایک عورت اگر یہ کہتی ہے کہ میں نے فلاں بچہ کو دودھ پلایا ہے، اور
اس کے علاوہ کوئی دوسرا مرد یا عورت اس کے دودھ پلانے کو نہیں کہتا تو تنہا عورت
کے کہنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ رضاعت کے ثبوت کے لیے ضروری
ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے علاوہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی
تائید کریں کہ اس عورت نے اس بچہ کو دودھ پلایا ہے، اگر دو مرد یا ایک مرد
اور دو عورتیں گواہی نہ دیں تو رضاعت ثابت نہ ہوگی، اور اس سے اور اس کی لڑکی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں پڑنے سے کیا فائدہ؟

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حقیقی باپ کے بھائی بہن اور باپ دادا، چچا، پھوپھی، دادی، دادا ہوجاتے ہیں۔ اس کو باپ مثال سے سمجھ لیجیے مثلاً شاہدہ اور عباس میاں بیوی ہیں، شاہدہ کا خاوند خالد کے لڑکے عاصم نے پی لیا تو اب شاہدہ اور عباس دونوں عاصم کے رضاعی ماں باپ ہوں گے اور ان کے جتنے لڑکے لڑکیاں ہوں گے وہ سب عاصم کے بھائی بہن ہوں گے اب ان میں سے کسی کا نکاح عاصم سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عاصم کے بھائی بہن، ماں باپ اور شاہدہ کے ماں باپ بھائی بہن غرض کے بھی جتنے ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی اور دادا دادی ہوں گے اور ان سے نکاح حرام ہوگا، جس طرح حقیقی بہن بھائی اور ماموں بھانجی، خالہ بھانجا اور دادا پوتی میں نکاح حرام ہوتا ہے۔

اگر خالد کی لڑکی عاصم نے اور خالد کے لڑکے فاخرہ نے خالدہ کا دودھ پیا تو جیسے ہی عاصم اور فاخرہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوگئے، ان دونوں میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ خواہ دونوں نے ایک ہی برتن میں خالدہ کا دودھ پیا ہو یا ایک نے پہلے پیا ہو دوسرے نے برتن دھونے کے بعد میں پیا ہو دونوں کا ایک ہی رضاعی کے حقیقی بھائی بہن کا حکم ہے۔ یعنی جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کا نکاح تو رضیعہ یعنی دودھ پینے والی عورت اور اس کے شوہر یا ان کے نسبی رشتے دار سے جائز نہ ہوگا لیکن رضیعہ یعنی دودھ پینے والے لڑکے کے حقیقی بھائی بہن سے نکاح جائز ہے۔ رضاعی بھائی بہن سے مراد لڑکا لڑکی جو

شادی ہو سکتی ہے

(۱) مثلاً طارق، خالد اور راشدہ حقیقی بھائی بہن ہیں اور خالد نے صفیہ کا دودھ پیا تو اب خالد سے صفیہ کا اور صفیہ کے تمام بچوں کا نکاح حرام ہے، مگر خالد کے بھائی طارق اور اس کی بہن راشدہ کا نکاح صفیہ کے لڑکے لڑکیوں سے ہو سکتا ہے؛ صفیہ کے شوہر سے راشدہ کا نکاح ہو سکتا ہے، اسی طرح صفیہ کا نکاح راشدہ کے باپ سے ہو سکتا ہے۔

(۲) اسی طرح خالد کے دو سوتیلے اور رضاعی بھائی بہن ہیں اور خالد نے اسمار کا دودھ پیا تو اب اسمار کے لڑکوں اور لڑکیوں سے تو خالد کا نکاح نہیں ہو سکتا مگر خالد کے جو سوتیلے اور رضاعی بھائی بہن ہیں ان سے اسمار کے لڑکوں کا نکاح ہو سکتا ہے، اور خود اسمار کا نکاح خالد کے رضاعی بھائی بہن سے ہو سکتا ہے۔ (۳) اسی طرح رضیع کے لڑکے لڑکیاں مرضعہ کے لیے اور مرضعہ کے شوہر کے لیے حرام ہیں کیوں کہ رضیع کے بچے مرضعہ کے اور مرضعہ کے شوہر کے پوتے پوتیاں ہو گئے اسی طرح رضیع کی بیوی مرضعہ کے شوہر کے لیے حرام ہے کیوں کہ یہ اس کی بہو ہوئی اور بہو سے نکاح حرام ہے اور رضیعہ کا شوہر مرضعہ کے لیے حرام ہے کیونکہ یہ مرضعہ کا داماد ہوا اور داماد سے شادی حرام ہے۔

رضاعت کے رشتے کا قاعدہ کلیہ اس فارمولہ پر بتلا دیا گیا ہے اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

از جانب شیر دودھ جمع کرنے والی اور اس کے شوہر کے تمام قریبی رشتہ دار

رضاعت کے لیے حرام ہیں اور رضیع کے بال بچے اور رضیع کی بیوی اور رضیعہ کا شوہر

مرضعہ اور مرضعہ کے شوہر کے لیے حرام ہیں

بعض اور ضروری مسائل (۱) کسی دوسرے کے لڑکے کو بغیر شوہر کی اجازت

کے ہرگز دودھ نہ پلانا چاہیے، البتہ اگر کوئی بچہ بھوک سے تڑپ رہا ہو اور

اس کی ماں موجود نہ ہو یا اس کے دودھ نہ ہوتا ہو ایسی حالت میں بغیر اجازت بھی

دودھ پلا دینا چاہیے۔

(۲) کسی ایک جانور کا دودھ دو لڑکے پئیں تو اس سے رضاعت ثابت

نہیں ہوتی۔

نوٹ: دودھ پلانا کس کا حق ہے اور دودھ پلانے والی عورت کو کتنی اجرت

لینی چاہیے اور بعض دوسرے مسائل کا تذکرہ آگے آئے گا۔

زنا اور زانیہ کے نکاح کا حکم: اگر کوئی عورت بیوہ ہو یا مطلقہ ہو

یا حاملہ ہو تو اس کو عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔ بیوہ کے لیے

عدت چار مہینے دس دن، مطلقہ کی تین حیض ہے اور حاملہ کی عدت بچے کی

پیدائش ہے، یعنی اس کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی بدبخت عورت

نے عدت میں زنا کر لیا تو اب اگر ان دونوں میں نکاح ہو تو ان کے لیے عدت ختم ہونے

نہیں ہے اور اگر حمل رہ جائے تو حمل کی حالت میں بھی نکاح ہو سکتا ہے البتہ اگر زانیہ کو زنا سے حمل رہ گیا ہے مگر اس کا نکاح زانی کے بجائے کسی دوسرے آدمی سے ہے گیا تو حمل کی حالت میں نکاح تو دوسرے سے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ زانیہ کے لیے عدت نہیں ہے لیکن چونکہ حمل اس کو دوسرے آدمی سے ہے اس لیے ہونے والے شوہر کو اس سے مباشرت نہ کرنا چاہیے کیونکہ زنا کے نطفے اور اس کے نطفے میں اختلاط نہ ہونے پائے، لیکن اگر زانی ہی سے نکاح ہوا تو اس کے لیے یہ قید بھی نہیں ہے کیونکہ وہ نطفہ اسی کا ہے۔

نکاح کا مسنون اور غیر مسنون طریقہ شادی بیاہ کا موقع ایک خوشی مسرت کا موقع ہوتا ہے، لیکن اسلام میں کوئی خوشی و مسرت احساسِ ذمے داری سے خالی نہیں ہے، یعنی خوشی و مسرت اپنے ساتھ بہت سی ذمہ داری اور دینی ذمے داریاں لاتی ہے، اس لیے رشتۂ نکاح کے قائم کرنے سے پہلے اور نکاح کرتے وقت خوشی و مسرت کا کوئی ایسا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے جو اس کی ذمے داریوں اور اسلام کی روح کے منافی ہو، آج کل بعض لوگ شادی بیاہ کے موقع پر ایک عارضی مسرت کے دائمی رنج و غم کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ شادی خانہ آبادی ہو کر بربادی کا پیش خیمہ نہ ہو، نکاح کے مسئلے یہ ہیں، وہ چند ہدایتیں درج کی جاتی ہیں اگر آپ ان کا لحاظ نہ کریں گے تو نہ تو نکاح فاسد ہوگا اور نہ ناجائز کی کوئی بات ہوگی لیکن آپ پر ہدایتیں دی جاتی ہیں ان کی خلاف ورزی تو بہرحال گناہ ہوگا

یتیم لڑکی یا دیوانہ لڑکی سے نکاح کرنا بہت بڑا اور گناہ کبیرہ ہے اس سے معاشی نقصانات بھی ہوتا ہے اور معاشرے میں ایک ایسا بندہ امراض پیدا ہوتا ہے جو معاشرتی عیوب اور فساد کا بیشتر حصہ بنتا ہے، اور جو چیز کسی برائی اور فساد کا سبب ہو وہ بھی اسلام کی مطلق حرام نہیں مگر کردہ تحریمی ضرور قرار دی گئی ہے چنانچہ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ نکاح کو زیادہ پسند فرمایا ہے جو آدمی کے لیے معاشی اور معاشرتی حیثیت سے کم سے کم پریشان کن اور کم سے کم نقصان دہ ثابت ہو کیونکہ جس رشتہ نکاح کے معاشرتی اور معاشی تقاضے جتنے ہی زیادہ پریشان کن اور نقصان دہ ثابت ہوں گے اس رشتے کے ذریعے معاشرے کی دینی اور اخلاقی ذمہ داریاں اتنی ہی کم پوری ہوں گی جن کی تکمیل ہی نکاح کی جان ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے:

اَعْظَمُ النِّکَاحِ بَرَکَۃً — سب سے زیادہ مبارک نکاح وہ ہے

اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً (مسند احمد) — جو کم سے کم دقت پریشانی اور خرچ کا سبب ہو

آپ نے اسی بنا پر ان عورتوں کو جو نکاح میں بہت دیر کی زیادہ ترغیب دی ہے جن کے ذمہ آدمی پر کم سے کم مادی بار پڑے۔ جو اور جن کے تقاضے اور ذمہ داریاں کم ہوں، عَلَیْکُمْ بِالْاَبْکَارِ ..... فَاِنَّھُنَّ اَرْضٰی بِالْیَسِیْرِ (ابن ماجہ) اسی بنا پر آپ نے فرمایا کہ جس لڑکے کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو جاؤ اس سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو

تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ — زمین میں بڑا فتنہ عظیم اور بہت بڑا

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ — فساد برپا ہو جائے گا

گویہ ہدایتیں جو آگے دی جا رہی ہیں خالص اخلاقی ہیں، یعنی ہر مسلمان کے جذبۂ ایمانی سے یہ توقع قائم کرکے یہ ہدایتیں دی گئی ہیں کہ وہ ان کے خلاف نہ کرے، لیکن اگر کوئی شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو قانونی طور پر اس کے عقد نکاح پر تو اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، مگر یہ اخلاقی ہدایت کی عدم رعایت ایک معاشرتی فساد اور فتنہ کا سبب ہوتی ہے، اس لیے اسلامی حکومت معاشرہ کے ہر فرد کو ان کی رعایت پر مجبور کر سکتی ہے، اور ان کا لحاظ نہ کرنے والوں کو سزا بھی دے سکتی ہے، لیکن بہرحال قانونی طور پر عقد نکاح نہیں توڑ سکتی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشادات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ شادی بیاہ کی ترتیب کو نہایت ہی سادہ، کم خرچ، اور فتنہ کا ابتدا بنانا چاہیے، اور میاں بیوی کو اپنی ازدواجی اور معاشی ضرورتوں کو محدود رکھنا چاہیے، اور جس کی معاشی، معاشرتی اور ازدواجی خواہشات زیادہ جلد پوری ہوتی ہوں اس کے دین و اخلاق کے مرد اتنی ہی جلد ہوں گے، یہ کوئی فلسفہ نہیں ہے، بلکہ ہم آپ روز مرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس گھر میں زیادہ خواہشات کی محبت اور پیروی ہوتی ہے وہاں خدا اور رسول کی محبت اور پیروی اتنی ہی کم ہوتی ہے، اور اسی لیے مغربی ممالک اور مغربی تہذیب سے متاثر مشرقی ممالک کے لوگ اپنی زندگی کو جس قدر

ہے وہاں دین کا کوئی معیار تو ہوتا ہی نہیں، اور اگر ہوتا ہے تو انتہائی پست اور بے کشش ہوتا ہے، اس میں استثنائی مثالیں بھی ہیں، مگر حکم چند افراد کو سامنے رکھ کر نہیں لگایا جاتا بلکہ اکثریت کو سامنے رکھ کر لگایا جاتا ہے، اور اکثریت کا حال وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے

شادی بیاہ کی رسمیں ان ہدایات کو ذہن نشین کرلینے کے بعد پھر ان رسموں پر ایک نظر ڈالیے جو مسلمانوں میں بھی آج کل عام طور پر رائج ہوگئی ہیں۔ ان رسموں کی پابندی سے ہزاروں مسلمان گھرانوں کو ایک سخت مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کتنے لڑکوں اور لڑکیوں کی آدھی عمر گزر جاتی ہے، مگر ان کی شادی صرف اس لیے نہیں ہو پاتی کہ دھوم دھام کے ساتھ جہیز دینے کے لیے لڑکے والوں اور لڑکی والوں کے پاس ذرائع نہیں ہیں۔ اسی کی وجہ سے ہزارہا مسلمان مقروض ہوتے ہیں، ان میں مسلمانوں میں کتنے ہیں جو اپنی آمدنی کا بڑا حصہ بیاہ شادی میں خرچ کر دیتے ہیں، جن کی آمدنی اپنی استطاعت سے زیادہ دعوت کا انتظام کرتے ہیں، بارات، آتش بازی، بینڈ باجے اور دیگر لوازمات پر بے تحاشا روپیہ برباد کر ڈالتے ہیں، لیکن کیا کسی سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ سب کچھ نہ کرو، ورنہ تمہارا سماجی بائیکاٹ کر دیا جائے گا، یا تمہیں برادری سے نکال دیا جائے گا۔

کہ رسم و رواج کی پابندی اور دکھاوے میں ان کی خواہشات کی تسکین ہوتی ہے اور نام و نمود کی لذت ملتی ہے اس لیے وہ ہر پریشانی کو خوشی سے برداشت کرتے ہیں، لیکن کاش مسلمان یہ سوچتے کہ اپنی خواہشات کی تسکین اور نام و نمود کی لذت کے لیے وہ اپنے سر جو پریشانی مول لے رہے ہیں اس کی وجہ سے وہ اپنی دنیا و آخرت بھی خراب کرتے ہیں اور معاشرے میں بھی ایک فتنۂ کبیر اور فساد عظیم کی بنیاد ڈال دیتے ہیں، ایک طرف مذکورہ ارشادات نبوی پر غور فرمائیے جن میں رشتۂ نکاح کے انتخاب میں دین و اخلاق کا لحاظ نہ کرنے کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیا گیا ہے اور کم خرچ رشتۂ نکاح کی ترغیب دی گئی ہے دوسری طرف موجودہ مسلم معاشرتی نظام پر نظر ڈالیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ یہ سب ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

مسنون طریقۂ نکاح اب ہم مسنون طریقۂ نکاح کی پوری تفصیل بیان کرتے ہیں، اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

شادی کا پیغام دینا منگنی یا شادی کی نسبت لگانے کو عربی میں خطبہ کہتے ہیں۔ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جس عورت سے کسی مرد کی یا جس مرد سے کسی عورت کی نسبت لگائی جا رہی ہے، ان کی شکل و صورت، مال و دولت، خاندان اور دین و اخلاق کے بارے میں ان کے سرپرست یا خود لڑکے لڑکی معلومات فراہم کریں تاکہ بعد میں شکوک نہ

یہ ان چیزوں کا اثر تعلقات پر نہ پڑے۔ لڑکوں کے بارے میں تو معلومات حاصل کرنا آسان ہے، مگر لڑکیوں کے بارے میں البتہ معلومات فراہم کرنا ذرا مشکل ہے۔ اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ چند عورتوں کو تجویز کرانے کی صورت میں بہتر کے ذریعے میں دریافت کر لیا جائے۔ اپنے پڑوس کے معقول لوگوں کے ذریعے معلوم کر لیا جائے، مگر یہ خیال رہنا چاہیے کہ اصل ترجیح کا سبب شکل و صورت مال و دولت کو نہیں دین و اخلاق کو بنانا چاہیے، اگر دین و اخلاق کے ساتھ شکل و صورت بھی جمع ہو جائے یعنی ایک طرف دین و اخلاق سے عاری حسین و جمیل صاحب مال و دولت لڑکا یا لڑکی ہو اور دوسری طرف ایک غریب اور معمولی شکل و صورت کی لڑکی یا لڑکا ہو تو دین و اخلاق میں بڑھا ہوا ہونے کی ترجیح دینا چاہیے گو کہ قانوناً دین و اخلاق سے عاری لڑکوں یا لڑکیوں سے شادی کرنا منع نہیں ہے، مگر چونکہ دین و اخلاق کے ساتھ ہی لڑکے یا لڑکی ایک اچھے خاندان کو وجود میں لا سکتے ہیں اس لیے ایک مسلمان کے ایمان و اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنی ذاتی و نفسانی خواہشات کے مقابلے میں آخرت کو مقدم رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار صفات میں سے کسی نہ کسی صفت کی بنا پر ایک عورت سے عقد کیا جاتا ہے، ایک تو اس کے مال و دولت کی وجہ سے دوسرے اس کے حسب کی وجہ سے تیسرے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے چوتھے اس کے دین و اخلاق کی وجہ سے

لیکن آپ نے آخر میں متعدد صحابہ سے یہی فرمایا کہ۔

فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ — تم دین دار عورت کا انتخاب

تَرِبَتْ يَدَاكَ — کرکے کامیابی حاصل کرو ورنہ تم خاک

(بخاری و مسلم) — سے محروم رہو گے۔)

آپ نے دین دار عورت کے انتخاب کے سلسلے میں ظفر کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کے ہیں، اس کامیابی کا تعلق جمال اور مال و دولت کی فراوانی سے نہیں ہے، بلکہ دین و اخلاق کی دولت سے ہے۔ شیریں کی بیوی ہے، اس کے خلاف کرنے والے کو نکاح کی حقیقی کامیابی اور بھلائی سے خود بھی محروم ہوگا، اور معاشرے کو بھی محروم کرے گا۔ اس لیے ترمذی کی شرح میں علامہ مبارکپوری نے لکھا ہے۔ جس نے دین دار بیوی کو چھوڑ دیا وہ بھلائی سے محروم رہے گا۔

آپ نے فرمایا کہ پوری دنیا دولت ہے اور اس کی بہترین دولت نیک اور صالح بیوی ہے جو خاوند کی اطاعت گزار ہو، اس کی غیر حاضری اور نامساعد حالات میں اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہو، اس کے مال و دولت اور حسن و جمال میں

ہے، مگر آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی۔

اَلْخَادِمُ عَلَی الصَّغِیْرِ وَالزَّوْجِ فِیْ ذَاتِ یَدِہٖ

"اپنے چھوٹے بچوں پر شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کی ہر چیز کی محافظت کرتی ہیں۔"

قرآن میں کہا گیا ہے، کہ اگر صالح اور نیک غلام و لونڈی بھی نہ جائیں

"ان سے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کا نکاح کرنے میں کوتاہی نہ کرو اور نہ

خیال کرو کہ وہ فقیر اور مفلس ہیں۔ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِہِمُ اللّٰہُ

مِنْ فَضْلِہٖ۔ نہ تو مرد دولت دنیا پر اور نہ عورت اپنے

اپنے فضل سے جب چاہتا ہے اپنے غنی و مال دار بنا سکتا ہے۔ اور

ہے یہ بات بہت کم کہ تنگ دستی اور افلاس

[illegible]

لڑکے یا لڑکی میں کوئی عیب و ہنر ہو تو اسے صاف صاف ظاہر کر دے چاہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ شادی کے سلسلے میں جس سے مشورہ کیا جائے وہ اگر اس لڑکے یا لڑکی کے ذاتی عیوب کی پردہ دری کرے گا تو یہ چیز غیبت نہیں کہی جائے گی۔

کسی کے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں اگر ایک مسلمان اپنی یا اپنے بیٹے کی نسبت کی بات چیت کہیں کر رہا ہے تو جب تک وہ جواب نہ دے، دوسرے کسی مسلمان کو اس جگہ پیغام نہ دینا چاہیئے، اسی طرح اگر کسی لڑکے سے کسی لڑکی کی نسبت طے ہو رہی ہے تو جب تک یہ بات چیت ختم نہ ہو جائے، دوسرے کسی لڑکے والے کو یہ نہ چاہیئے کہ وہ بیچ میں کود پڑے اور اس کو کاٹ کر اپنی لڑکے کے لیے پیغام دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ حَتّٰى يَنْكِحَ اَوْ يَتْرُكَ (بخاری)

ایک آدمی اپنے کسی بھائی کے پیغام پر اس وقت تک پیغام نہ دے جب تک وہ بات چیت ختم نہ کر دے یا اس سے نکاح ہو جائے۔

نسبت لگانے کے سلسلے میں ابتدائی سادگی کا خیال رہنا چاہیئے۔ خواہ مخواہ نسبت لگانے میں فضول خرچی نہ کرنی چاہیئے نسبت کے لئے رشتے

میں بھی یہی خواہش رکھتا ہے کہ وہ بھی دین و اخلاق کی تمام حدیں پھاند کر آگے کی طرح بی اے یا ایم اے ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان عورتیں جن کی وجہ سے دین و مذہب کی تعلیم اور اسلامی اخلاق و کردار کی جو تھوڑی بہت قدریں محفوظ رہ گئی تھیں وہ بھی رخصت ہونے لگی ہیں۔ آج اب دین دار مسلمان تک اپنی لڑکیوں کو دینی تعلیم اور اسلامی تربیت دینے کے بجائے انگریزی ہندی تعلیم و تربیت دے رہے ہیں یا وہ دینے پر تیار ہیں اور اگر کچھ دن یہی صورت رہی تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہو کر رہے گی، کہ معاشرہ فتنہ و فساد سے بھر جائے گا۔

جو لوگ اونچی تعلیم ہی کو لڑکی کے انتخاب کے لیے معیار سمجھتے ہیں، وہ غالباً دو وجہ سے ایسا چاہتے ہیں، ایک تو اس لیے کہ عورت بھی ملازمت وغیرہ کر کے ان کی معاشی ذمے داری کے بار کو ہلکا کر دے، دوسرے اس لیے ایسا چاہتے ہیں کہ ان کے علمی ذوق کی تسکین کے لیے نہ صرف یہ کہ بیوی بھی ان کی ہم مذاق ہو، اس میں شک نہیں کہ ان دونوں خواہشوں کے پورے ہو جانے میں کچھ مادی فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہوں گے، لیکن ایسی خواہش رکھنے والوں کے جذبات کی کچھ نہ کچھ تسکین بھی ہو جاتی ہوگی۔ لیکن اس تھوڑے سے مادی فائدے، اور ایک عارضی تسکین جذبات کے بدلے بے شمار اخلاقی، معاشرتی نقصانات اور گھریلو بے اطمینانیاں بھی بہت شدید

بیماری کی وجوہ میں نہ تو کوئی اچھا خاندان ہی وجود میں آسکتا ہے، اور نہ قرآن کی زبان میں داخلی طور پر میاں بیوی کے لیے "لباس" اور "وجہ سکون" بن سکتی ہے۔ غور کیجیے کہ جو عورت اور مرد دن بھر دفتر یا کارخانہ میں رہیں گے، اور دونوں شام کے وقت تھک کر گھر آئیں گے، تو دونوں یا نوکر کے ذریعے اپنے چائے پانی اور کھانے کا انتظام کرائیں گے، یا پھر عورت کے ذمے یہ کام بھی ہوگا، دوسری صورت میں عورت پر بھی ظلم ہوگا اور مرد پر بھی۔ عورت پر اس لیے کہ مرد اگر دن بھر کام کرنے کے بعد تھک سکتا ہے، تو عورت جو فطرتاً مرد سے زیادہ کمزور ہوتی ہے، اور زیادہ تھک جائے گی، اور جب وہ تھکی ہوئی ہوگی تو اس وقت اس سے دوسرا کام لینا اس کے اوپر ظلم ہے، اور مرد کے اوپر ظلم یہ ہے کہ دفتر اور گھر دونوں جگہوں میں بٹی ہوئی عورت ایک طرف تو مرد کے لیے سکون و آرام کا سامان نہ بن سکے گی، دوسری طرف بہت جلد اس کی صحت بھی جواب دے دے گی، بچے بچیوں کی تربیت اور حمل کی حالت میں خود اس کی دیکھ بھال اور آرام و سکون وغیرہ کا معاملہ بہت ہی اہم ہے۔ روس میں حاملہ عورت کو صرف تین مہینے کی چھٹی ملتی ہے۔ غور کیجیے کہ ایک حاملہ عورت جس کے لیے کم سے کم تین مہینے ولادت سے پہلے اور دو مہینے ولادت کے بعد آرام انتہائی ضروری ہے۔ اس کے اوپر یہ کتنا بڑا ظلم ہے، پھر عفت و عصمت

کا جو معیار اسلام نے قائم کیا ہے، وہ اس صورت میں کبھی قائم نہیں
رہ سکتا اور نہ کرایے کی تربیت سے بچوں کے اندر وہ اخلاقی صفات
ہمدردی، لحاظ پاس، اور خاندانی تعلقات کا احترام پیدا ہو سکتے ہیں جو ماں
کی گود میں بیٹھ کر بھی محنت و مشقت کے بعد ہو جاتی ہیں۔

غرض یہ کہ ان دونوں خواہشوں کو موجودہ طریقے پر پورا کرنے میں بہت
معاشرتی اور اخلاقی نقصانات ہیں۔ جہاں تک معاشی فائدے کا تعلق ہے
جائز حدود میں عورت کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے اسلام کی تعلیم اس
بالکل روکتی نہیں، مگر اس کے ساتھ دو باتیں ذہن نشین کر لینی ضروری ہیں۔ ایک
کہ اسلام کی شریعت معاش کی ذمہ داری مرد کے کاندھے پر رکھتی ہے۔ اس
سے مرد کو اس ذمہ داری سے بھاگنا یا اپنے تعیشات کی کمی کے لیے
کرنا انتہائی شرمناک بات ہے۔ دوسرے یہ کہ عورت کے ذریعے معاشی فائدہ
گھر کے اندر رہ کر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ غلط قسم کی عزت نہ
شہرت کو مقصد نہ بنایا جائے۔ جو دولت دوسرے گھریلو صنعتوں کی ترقی سے
ہوتی ہے کہ اگر ان کو اپنایا جائے تو ان کے ذریعے معاشی فائدہ حاصل کیا
جا سکتا ہے۔ اور عورت کو اپنے گھر کے ان نقصانات سے بھی بچایا جا سکتا
ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ بڑے شہروں میں عورتوں کو اپنے جذبات کی
تسکین کے لیے غیر مستقل باہمی تعلقات اور ہوٹلوں میں جانے آنے کی دعوت دینے

بیسویں صدی سے سبق لینا چاہیے جنھوں نے عورتوں کو گھروں سے نکال کر مکتبوں، کارخانوں میں داخل کیا اور وہ فتنہ و سیاست کی گرمی پر پہنچایا تو اس فتنہ کی کوشش کے نتائج ان کے سامنے کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ ان ممالک میں جرائم کی کثرت دیکھ کر بڑے بڑے روشن دماغ اب عورتوں کے مسئلے پر اس حیثیت سے غور کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ان کا دائرۂ عمل گھر ہونا چاہیے یا فتنہ و سیاست کا وسیع میدان، یہاں صرف اس مسئلے کی طرف اشارہ کر کے بحث چھوڑ دیا جاتا ہے، کیونکہ تفصیل کا موقع نہیں ہے، ورنہ بیسیوں دلائل اور واقعات سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو گھر کی مالکہ بنانے کے بجائے جن لوگوں نے ان کو گھر کے باہر کے اجتماعی کاموں میں لگانے کی کوشش کی ہے انھوں نے اجتماعی حیثیت پر اس کا کچھ اچھا اثر بظاہر کچھ نہیں کھایا ہے۔

نسبت طے کرنے کے بعد: جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ نسبت طے کرنے میں اہتمام کرنا، شرائط لگانا، نامناسب، ناپسندیدہ بات ہے، بلکہ اس مرحلے کو نہایت سادگی اور بغیر کسی خرچ اور شرائط کے طے کرنا چاہیے۔ اسلامی شریعت نے مردوں اور عورتوں کے جو حقوق و فرائض مقرر کیے ہیں، وہ خود ہی اتنے کافی ہیں، اور انسانی فطرت کے اتنے مطابق ہیں کہ ان کے بعد مزید کسی شرط کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ ان حقوق و فرائض کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نسبت طے ہو جانے کے بعد فوراً کوئی تاریخ یا وقت نکاح

کے لیے مقرر کر دینا چاہیے، اور پھر تاریخ یا وقت پر دونوں کا نکاح نہایت ہی سادگی کے ساتھ کر دینا چاہیے

نکاح کا موجودہ طریقہ: نکاح پڑھانے کے لیے لڑکی کے گھر پر بارات لے جانے کی جو رسم ہے وہ بھی ایک فضول بلکہ انتہائی بری رسم ہے۔ یہ رسم بھی ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثر سے آئی ہے۔ پیسہ کے ساتھ نوشے کو عمدہ سے عمدہ لباس پہنا کر، سہرا وغیرہ باندھ کر کسی سواری پر کر کے لڑکی کے دروازے پر لے جاتے ہیں، خواہ لڑکے اور لڑکی کا گھر ایک جگہ یا ایک ہی محلے میں کیوں نہ ہو۔ یہ تمام رسمیں انتہائی غلط اور مکروہ ہیں۔ اسی طرح اس موقع پر لڑکی والے لڑکے کے لیے اور لڑکے والے کے لیے دو چار جوڑے کپڑے بنوانا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر بغیر کسی دقت کے کپڑے اور سامان کا انتظام کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن رسماً ایسا کرنا گناہ ہے۔ بعض جگہ باجا گاجا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ رسم مکروہ نہیں بلکہ حرام ہے۔ پھر نکاح کے وقت نوشے کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے، مرد کے لیے سونے کا استعمال حرام ہے، اس لیے اس سے گریز کرنا چاہیے۔

نکاح جس طرح لڑکی کے گھر پر ہو سکتا ہے، اسی طرح لڑکے کے گھر پر بھی ہو سکتا ہے۔ کسی ایک ہی صورت کو ضروری سمجھ لینا گناہ ہے۔

اعلان: اوپر ذکر آچکا ہے کہ اگر کوئی بالغ عورت کسی بالغ مرد سے یا کوئی بالغ مرد کسی بالغ عورت سے دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا نکاح خود پڑھا لے تو نکاح ہو جائے گا، نہ تو کسی وکیل یا قاضی کی ضرورت ہے، اور نہ ولی کی، لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ جو نکاح کیا جائے، وہ اعلان کے ساتھ کیا جائے۔ یعنی نکاح، خطبہ یا دو چار آدمیوں کے سامنے نہ کیا جائے، بلکہ اس طرح کیا جائے کہ اس بستی یا محلے کے زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو جان جائیں، مگر اس کے لیے کھانے کی دعوت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس اعلان کی صورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہ اختیار فرماتے تھے کہ کسی نماز کے بعد مسجد میں محلے کے نمازیوں کے سامنے یا جمعہ کے دن جامع مسجد میں پوری بستی کے لوگوں کے سامنے نکاح پڑھا دیا کرتے تھے۔ اس صورت میں اعلان بھی ہو جاتا تھا اور وہ بے جا اہتمام کی زحمت سے بھی بچ جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے:-

"نکاح اعلان کیے کرو اور اس کی بہترین جگہ مسجد ہے۔" (ترمذی)

اس اعلان کی غرض یہ ہے کہ مرد اور عورت کے ہر قسم کے خفیہ تعلقات کی جڑ کٹ جائے۔ آپ نے اسی لیے اس موقع پر دف بجانے اور لڑکیوں کو بغیر ڈھول باجے کے اچھے اور پاکیزہ اشعار گانے کی بھی اجازت دی ہے۔

دف وہ باجا ہے جس کے ایک طرف چلنی کی طرح چھڑے منڈھا ہوا ہوتا ہے اور دوسری طرف کا حصہ کھلا ہوا ہوتا ہے، یعنی یہ ایسا باجا ہے، جس سے صرف اعلان

ہو جاتا ہے، اس کے ذریعے نہ تو سماعت کو کوئی لذت ملتی ہے، ورنہ ہی جذبات آدمی کے دماغ میں پرورش پاتے ہیں۔

لڑکیوں کے گانے میں بھی یہی بات آپ نے ملحوظ رکھی ہے۔ ایک بار جنگ کے موقع پر کچھ لڑکیاں غزوۂ بدر کے شہداء کے مرثیے گا رہی تھیں ان ہی میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرع پڑھا وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ ہمارے درمیان ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے، آپ نے فرمایا کہ پہلے جو اشعار گا رہی تھیں وہی گاؤ، مقصد یہ تھا کہ ایسے اشعار پڑھو جس سے جذبۂ جہاد، جذبۂ عمل تازہ ہو بے مقصد یا بے فائدہ اشعار پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

غور کیجیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف اظہار خوشی کا موقع بھی دیا ہے، دوسری طرف اس کے حدود بھی بتا دیے ہیں۔

نکاح کے لیے بلاوا اپنے یا اپنے لڑکے کے نکاح کے موقع پر اپنے قریبی اعزا اور دوستوں کو بلا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر حضرت انسؓ کو بھیجا کہ جاؤ، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور انصارؓ کے کچھ لوگوں کو بلا لاؤ۔ جب یہ لوگ آ گئے تو آپ نے ان کے سامنے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔ لیکن بلاوے کو ضروری سمجھنا اور نہ اس کے لیے بے جا زحمت اٹھانا انتہائی ناپسندیدہ ہے، آپ نے جس سادگی اور زحمت کے بغیر لوگوں کو بلایا اور نکاح

کردینا ہی بہتر کرنا چاہیے لیکن موجودہ زمانے میں تو جو بلا آتا ہے وہ بھی اپنے کو سخت زحمت میں ڈال کر بلاتا ہے اور جو لوگ بلائے جاتے ہیں وہ بھی سخت زحمت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کیونکہ بلانے والے کے لیے بھی کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے والوں کے لیے بھی کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی بغیر کچھ خرچ کیے کپڑا تن دیے پلا جائے تو سخت شکایت ہوتی ہے۔ یہ انتہائی غلط رسم اور غریب عزت پر ایک بہت بڑا ظلم ہے

اجازت لڑکی کو خود لینی چاہیے! نکاح پڑھاتے وقت بہتر یہ ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہے تو اس کا ولی خود اس سے دو گواہوں کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ اجازت لے کہ میں تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے اتنے مہر معجل یا مؤجل پر پڑھانا چاہتا ہوں، تم اجازت دیتی ہو، یا تمہنے اجازت دی، لڑکے کا محض نام لینے سے اگر لڑکی اچھی طرح اس کو نہ سمجھ سکے، تو پھر اس کے باپ کا نام اور پورا پتہ اور خاندان بتا کر تعارف کرا دینا چاہیے، تاکہ لڑکی اچھی طرح سمجھ لے کہ کون اور کیسا آدمی ہے۔ اگر ولی نے بالغ لڑکی سے اجازت لی ہے تو لڑکی کنواری ہے تو اس کی خاموشی یا آنسو بہا دینا یا ہاں، بول کر دینا اجازت سمجھی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی ایک شادی بیوہ کی حالت میں پہلے ہو چکی ہے تو پھر اس کو صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہیے کہ مجھے منظور ہے، یہ اجازت دیتی ہوں۔ اگر لڑکی نابالغ ہے تو پھر ولی کو اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے

ولی خود اپنی صواب دید سے نکاح پڑھا دے۔

وکیل کی اجازت (۱) اگر ولی خود اجازت نہ لینے جائے، بلکہ وہ کسی آدمی کو وکیل بنا کر بھیجے کہ تم اجازت لے کر نکاح پڑھا دو تو وکیل کو بھی ضرور ہوگا کے سامنے انہی مذکورہ الفاظ کے ساتھ اجازت لینی چاہیے جن سے ولی نے لی ہے، البتہ جب وکیل اجازت لے تو بالغ لڑکی کو صاف صاف کہنا چاہیے کہ مجھے منظور ہے صرف خاموشی یا رونا کافی نہیں ہے

(۲) اجازت کے الفاظ کو ولی یا وکیل کے ساتھ گواہوں کو بھی سننا چاہیے۔

ضروری ہدایت اجازت کے وقت عورتیں وہاں موجود رہتی ہیں بعض وقت ان میں سے کوئی کہہ دیتا ہے کہ ہاں منظور ہے یا یوں ہی شور کر دیتی ہیں کہ لڑکی نے ہاں کر دی ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس میں شرم کی بات نہیں ہے۔ صراحۃً لڑکی کو اجازت دینی چاہیے، یا انکار کر دینا چاہیے۔ یہ دو چار دن کا نہیں اس کی پوری زندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔

یہ تو اس صورت میں ہے، جب لڑکی سے پہلے، اجازت لی جائے۔ لیکن اگر کہیں ایسی صورت ہو کہ پہلے لڑکے سے اجازت لینی پڑے۔ یعنی ایجاب پہلے لڑکے سے کرایا جائے اور قبول لڑکی سے۔ تو اس صورت میں لڑکے سے صریح الفاظ کے ساتھ اجازت لینی ضروری ہے۔ اس کی خاموشی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ اس سے اجازت لے۔ البتہ اگر لڑکا نابالغ اور

نہ ہو تو صرف ولی کی اجازت کافی ہے۔

قبول: اب جس طرح دو گواہوں کے سامنے اجازت لی گئی ہے اسی طرح دو گواہوں کی موجودگی میں قبول بھی ہونا چاہیے۔ قبول کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے سے یا لڑکی سے یہ کہا جائے کہ میں فلاں لڑکے یا لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کر رہا ہوں تم نے اسے قبول کیا؟ اب اس کے جواب میں بالغ لڑکے یا لڑکی کو صاف الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبول کیا، عام طور پر جو الفاظ مروج ہیں ان کا کہنا بھی مناسب ہے یعنی میں نے فلاں لڑکی کو یا لڑکے کو اتنے مہر پر تمہارے عقد نکاح میں دیا، تم نے قبول کیا؟ اب اس کے جواب میں وہ کہے کہ ہاں میں نے قبول کیا۔

عام طور پر دو تین بار لوگ ایجاب و قبول کراتے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہی بار کافی ہے۔

مہر کا ذکر کرتے وقت یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ یہ مہر معجل ہے، یعنی فوراً ادا ہوگا، یا مؤجل ہے، یعنی بعد میں ادا ہوگا، اسی کے ساتھ یہ بھی بتانا چاہیے کہ اتنے روپے یا اتنی گنی یا اتنے بھر چاندی یا اتنے دینار یا اتنے ریال یا اتنے ڈالر ہوگا۔

آج سے کچھ برس پہلے عام طور پر ایجاب و قبول سے پہلے لڑکوں کو کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھا دیا جاتا تھا۔ اب یہ رواج بہت کم ہو گیا ہے لیکن میرے

خیال میں ہی نیک رواج کو باقی رکھنا چاہیے کیونکہ تعلیم کے عام ہو جانے کے باوجود مسلمان نوجوان توحید و رسالت کے تصور سے بالکل ناواقف ہوتے جا رہے ہیں اس طرح اس مبارک موقع پر تجدید ایمان کا موقع مل جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے ذریعے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو۔" اس حدیث نبوی پر عمل کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ نئے جوڑے نکاح کے ذریعے میاں بیوی ایک نئی زندگی شروع کرتے ہیں۔ اس نئی زندگی کے اس نئے موڑ پر ایمان کی تجدید سے ان کے اسلامی احساس میں ایک تازگی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ چیز دونوں کے تعلقات کی خوشگواری کا سبب بھی ہو سکتی ہے اور نکاح کے بعد انھیں جس سمت جانا ہے اس کی نشان دہی بھی۔

خطبۂ نکاح | اجازت کے بعد قبول سے پہلے یا قبول کے بعد کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نکاح کا خطبہ دینا بھی سنت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خطبۂ نکاح کرتے تھے وہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ یہ ہے

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ	ہر حمد کی تعریف اللہ کے لیے ہے
وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ	ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے
مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ	مغفرت چاہتے ہیں اور اپنے نفس کی
سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ	برائیوں سے اور اپنے برے عملوں سے
اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ	اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی

فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ
لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

ہدایت دے دے اس کو کوئی گمراہ نہیں
کرسکتا اور جس کو وہ گمراہ کردے اس کو
کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا

ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود اور ما لک نہیں ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے
بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس کے ساتھ ہی قرآن کی یہ آیتیں بھی آپ تلاوت فرماتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ
(آل عمران)

اے ایمان والو! اللہ سے اس
طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق
ہے اور تمہیں موت آئے تو ایمان و اسلام
پر آئے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ
الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ
بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ (النساء)

اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو
جس نے تم کو ایک جان (حضرت آدمؑ)
سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کی
بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں کے ذریعے
بے شمار مرد اور عورتوں کو پھیلایا اور اس
اللہ کے احکام کا لحاظ و پاس رکھو جس کے
واسطے دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق

مانگتے ہو اور ارحام (رشتوں) کا خیال و پاس رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں کی نگرانی کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت
اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا	کرو اور جب بات کرو تو سیدھی سچی
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ	اور معتدل بات کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے
لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ	تمام اعمال کو درست کر کے انہیں قبول کرے
وَالرَّسُوْلَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا	اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور
عَظِيْمًا (احزاب)	جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی اطاعت کرے گا وہ بہت بڑی کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔

اس کے بعد یہ حدیث نبوی بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ	نکاح میری سنت ہے جو اس سے گریز
رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ	کرے گا وہ میرا امتی نہیں ہے۔

قرآن کی ان چند آیات اور ارشاد نبوی کا نکاح کے موقع پر پڑھنا انتہائی برمحل ہے کیونکہ ان میں اجمالی طور پر ان تمام حقوق و فرائض کو بیان کر دیا گیا ہے جو نکاح کے بعد ایک جوڑے کے اوپر اسلام ڈالتا ہے۔ اور ان سے ان کی ادائیگی کی توقع رکھتا ہے۔ جن کی کچھ تفصیل اوپر آ چکی ہے اور کچھ آئے گی۔

دعا اگر ایجاب و قبول سے پہلے خطبہ نہ پڑھا گیا ہے، تو اس کے بعد ایجاب و قبول

کرنا چاہیے اور پھر دعا مانگنی چاہیے اور اگر ایجاب وقبول کے بعد خطبہ دیا گیا ہو تو فوراً کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر دعا مانگنی چاہیے۔ نکاح کی دعا میں دنیاوی ترقی اور مال بچے کی دعا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت علی کے بھائی حضرت عقیل کی شادی ہوئی تو لوگوں نے مبارک باد دیتے ہوئے کہا "بِالرَّفَاءِ وَالْبَنِيْنَ" دونوں میں میل ملاپ رہے اور بچے ہوں۔ آپ نے سنا تو فرمایا کہ یہ دعا نہ دو بلکہ یہ دعا دو۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ — اے اللہ! ان کو برکت دے اور
وَبَارِكْ عَلَيْهِمْ (مسند احمد) — ان کے اوپر اپنا فضل فرمایا۔

آپ کا خود معمول تھا کہ آپ ان الفاظ سے شادی کرنے والے کو مبارکباد دیتے تھے۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ (بخاری، مسلم) آپ کا آخری جملہ کہ دونوں کی یکجائی بھلائی میں اور بھلائی کے لیے ہو بڑی معنویت رکھتا ہے۔

دعا کے بعد خرما وغیرہ لٹانے کا دستور ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر مسجد میں اگر نکاح ہو تو مسجد کے آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔

ولیمہ | دعوت | نکاح کے بعد لڑکی کی طرف سے تو کسی طرح کی دعوت وغیرہ کا اہتمام کرنا غیر مسنون طریقہ ہے۔ البتہ جو دو چار آدمی نکاح پڑھانے کی غرض سے جائیں، ان کی خاطر مدارات کر دینی چاہیے، مگر نہ تو عام لوگوں کو کھانے پر

مدعو کرنا چاہیے، اور نہ زیادہ بارات بلانا چاہیے، البتہ نکاح کی شرکت کے لیے لوگوں کو بلایا جا سکتا ہے، مگر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ بلاوا بھی بغیر زحمت و تکلیف کے ہونا چاہیے۔ اس دستور کو اپنی سوسائٹی سے ختم کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ اس سے غریب آدمی سخت پریشانی میں پڑ جاتا ہے۔ اگر نہ بھی پڑے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا ہے، تو پھر ہم کو بھی ان کی اطاعت و محبت میں ایسا نہ کرنا چاہیے۔

البتہ نکاح کے بعد جب لڑکی لڑکے کے گھر یعنی سسرال رخصت ہو کر آ جائے تو اسی وقت یا دونوں میں جب مباشرت ہو جائے، اس وقت اپنی حیثیت کے مطابق دعوت کرنا اور لوگوں کو بلانا صحیح ہے، اسی دعوت کو شریعت میں ولیمہ کہا جاتا ہے۔ دعوت ولیمہ سنت ہے۔ اگر یہ دعوت اسی وقت سنت رہے گی جب اپنی حیثیت کے مطابق ہو، اور اس کی وجہ سے دعوت کرنے والے یا اس کے بچوں کو تکلیف کا اندیشہ نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح فرمائے، مگر حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں جو دعوت ولیمہ آپ نے کی تھی اس کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے ایک بکری ذبح کرائی تھی، اور سب کو کھلایا۔ اور حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد جو ولیمہ کی تھی وہ صرف ستو اور کھجور تھی۔ اسی سے آپ کے دعوت کے طریقہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہؓ کے نکاح میں

آپ نے جو دعوت ولیمہ دی۔

مَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أُمِرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَأُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْأَقِطُ وَاسْتَمْنَ (بخاری و مسلم)

اس میں نہ تو روٹی تھی اور نہ گوشت تھا، بلکہ اس میں یہ کیا گیا کہ چمڑے کے دسترخوان بچھا دیے گئے، اور ان کے اوپر کھجوریں کچھ پنیر اور کچھ گھی رکھ دیا گیا اور لوگوں نے اسے کھایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت ولیمہ میں سادہ ہونا چاہیے جو آدمی کو آسانی سے میسر ہو جائے، ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی شادی ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

اگر ایک بکری ہو تو اسی کا ولیمہ کرو۔

مقصد یہ تھا کہ اس موقع پر اپنے اعزہ و اقارب اور احباب کی ضیافت کرنا مناسب ہے، لیکن جو کچھ موجود ہو بس اسی کی ضیافت ہونی چاہیے۔ اگر تمہارے پاس ایک بکری ہو، تو اسی کو ذبح کر کے اس کا گوشت لوگوں کو کھلا دو لیکن اس کے لیے خواہ مخواہ پریشانی اٹھانا نہ چاہیے۔ اس وقت لوگوں کا حال یہ ہے کہ تحریری نوید میں احقر کی دعوت دیتے ہیں، لیکن وہ ناحقر نہیں ہوتا

ت یہ اونٹ کے دودھ سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کا مزہ نمکین ہوتا ہے۔

بلکہ سراسر غائب ہوتا ہے۔ یعنی ایسی چیزیں اس کھانے میں ہوتی ہیں جو اس بے چارے کو سال میں مشکل سے ایک دو دن نصیب ہوتی ہوں گی۔ اسی بنا پر آپ نے فرمایا ہے کہ رخصتی کے بعد پہلے دن ولیمہ سب سے بہتر ہے۔ دوسرے دن بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تیسرے دن کا ولیمہ صرف نام و نمود کے لیے ہے (ابو داؤد) مقصد یہ ہے کہ آدمی جتنی جلدی کرے گا کم اہتمام کرے گا' اور جتنی دیر لگائے گا اتنا ہی زیادہ اہتمام کرے گا' اور اس کا مقصد سوائے نام و نمود کے اور کیا ہو سکتا ہے اور نام و نمود کی جو مذمت شریعت میں آئی ہے اس سے ہر مسلمان واقف ہے نام و نمود' ریا اور دکھاوے سے بڑی سے بڑی عبادت ثواب کے بجائے عذاب کا سبب بن جاتی ہے۔

<u>دعوتِ ولیمہ میں کن لوگوں کو بلانا چاہیے؟!</u> عام طور پر لوگ شادی بیاہ میں اپنے مال دار' ممتاز اعزہ و احباب' بڑے بڑے عہدے داروں' امراء اور ممتاز لوگوں کو بلانے کی کوشش کرتے ہیں' اور اس میں اپنا ایک غیر معمولی اعزاز محسوس کرتے ہیں' اور غریب اعزہ و احباب کو حتی الامکان بلاتے نہیں اور اگر کسی دباؤ' ضرورت یا لحاظ کی بنا پر شریک کر لیتے ہیں' یا وہ خود شریک ہو جاتے ہیں' تو ان کو ایک تکدر محسوس ہوتا ہے اور اپنے دامنِ اعزاز پر ان کی شرکت کو ایک داغ سمجھتے ہیں اور جو لوگ عہدے داروں اور ممتاز لوگوں کو نہیں بلاتے یا نہیں بلاتے ان میں بھی اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کے دل میں یہ خواہش تو چٹکی لیتی رہتی

ہے کہ کمائی لوگ کسی وقت غریب خانے پر آجاتے مگر یہ بے چارے یا تو یہ سوچ کر نہیں بلاتے کہ ان کی شایان شان خاطر مدارات وہ نہ کر سکیں گے یا یہ سوچتے ہیں کہ وہ آئیں گے نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو ان مواقع پر غیر متعلق ممتاز لوگوں کے بجائے اپنے غریب اعزہ، احباب اور پڑوسیوں کو خوشی سے بلاتے ہیں اور ان کی شرکت سے ان کو خوشی بھی محسوس ہوتی ہو، ایک طرف مسلمانوں کے موجودہ طرز عمل کو ملاحظہ کیجیے، اور دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ملاحظہ کیجیے، آپ نے فرمایا:۔

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ (بخاری و مسلم)

سب سے ناپسندیدہ کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں مال دار لوگ بلائے جائیں اور غربا و محتاج چھوڑ دیے جائیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑا جرم یہ ہے۔

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا (مسلم)

سب سے برا کھانا وہ ہے جس میں ان لوگوں کو تو روکا جائے جو آنا چاہتے ہوں اور ان لوگوں کو بلایا جائے جو آنے میں تکلیف محسوس کرتے ہوں یا آنا نہ چاہتے ہوں۔

اگر کوئی دعوت دے تو ضرور شریک ہونا چاہیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص دعوت دے تو اس کی دعوت میں شریک ہونا چاہیے

بشرطیکہ اس میں کوئی غیر اسلامی بات نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کی دعوت
دی اور اس نے اس کی دعوت رد کر دی، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی
کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نفل روزے سے ہو، اور کوئی اس کو بلائے تو
اس کو جانا چاہیے، اور پھر جا کر کھانے سے معذرت کر دینی چاہیے کہ میں روزے
سے ہوں۔

جہاں کوئی غیر اسلامی بات ہو البتہ جس دعوت میں حرام افعال کا ارتکاب
ہو رہا ہو، مثلاً باجا بج رہا ہو، یا ریکارڈنگ ہو رہی ہو، یا رقص و سرود ہو، یا کھانے
میں کوئی حرام چیز مثلاً شراب وغیرہ رکھی ہوئی ہو، تو فوراً دعوت سے اٹھ جانا
چاہیے، اور اگر پہلے سے معلوم ہو تو جانا ہی نہ چاہیے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے
کی دعوت دی، آپ گھر کے اندر تشریف لائے، تو دیکھا کہ گھر کے پردے میں چند
تصویریں ہیں۔ آپ اسی وقت واپس تشریف لے گئے اور کھانا تناول نہیں فرمایا۔
آپ نے فرمایا کہ جو شخص توحید و آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے
کہ وہ اس دعوت میں شرکت نہ کرے جس میں شراب کا دور چل رہا ہو۔ (مسند احمد)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ شادی بیاہ کی تقریب میں یہی نہیں کہ آدمی
کو خود اپنے گھر پر غیر اسلامی اور گناہ کی باتوں سے بچنا چاہیے، بلکہ ایسی تقریبوں کی
شرکت بھی نہ ہونی چاہیے جن میں کوئی منکر یعنی غیر اسلامی کام ہو رہا ہو۔

پڑھیئے۔ البتہ اگر دونوں نے ہی تحریر دعوت دی ہے تو جس نے زیادہ قریب رہتے ہوں کے یہاں جانا چاہیئے۔

دعوت میں بلائے بغیر چلا جانا ایک بے غیرتی اور بے ایمانی کی بات ہے

کہ بعض لوگ کسی دعوت میں بغیر بلائے جاتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سخت مذمت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر بلائے کسی دعوت میں چلا جاتا ہے، وہ چور بن کر جاتا ہے، اور غاصب بن کر نکلتا ہے۔ (ابوداؤد) ایسے ہی اشخاص کو طفیلی کہا جاتا ہے۔

شب زفاف کا مسنون طریقہ

عام طور پر شب زفاف میں شادی کی پہلی رات کو عموماً لڑکی کو مرد کے کمرے تک لے جاکر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی صحیح نہیں۔ جس وقت بیوی میں پہلی بار جانے ہو تو مرد کو یہ دعا پڑھنی

چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ

اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی

چاہتا ہوں اور اس بھلائی کو جو اس

کی فطرت میں رکھی ہے، اور میں

شر سے پناہ چاہتا ہوں اور اس شر

سے جو اس کی فطرت میں ہے۔

(ابن ماجہ، ابوداؤد)

پھر اس کے بعد جب بیوی سے مباشرت کا ارادہ ہو تو اس وقت یہ دعا پڑھ کر

میں شرکت کرنا چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (بخاری و مسلم)

اللہ کے نام سے، اے اللہ، تو ہم دونوں کو شیطان سے بچائے رکھ اور جو اولاد تو دے اس کو بھی اس کے مکائد سے محفوظ رکھ!

غور کیجیے کہ یہ انسان کے لیے انتہائی خوشی اور بے تکلفی کا موقع ہوتا ہے، لیکن اس موقع پر بھی آدمی کو بدعا تلقین کی گئی ہے، اور جو ہدایتیں کی گئی ہیں، ان سے یہ بات نمایاں ہو گئی ہے کہ آدمی اپنے مرتبۂ انسانیت سے نیچے نہ گرنے پائے جہاں ایک جنسی جذبے کا تعلق ہے اس جذبے میں انسان اور حیوان دونوں ایک ہیں لیکن اس جذبے کی تسکین میں دونوں کی نوعیت جدا ہو جاتی ہے کوئی مہذب اور شستہ انسان حیوان کی طرح سرِ راہ اس جذبے کی تسکین نہیں کرتا۔ اس کے لیے آزاد جوڑے بنتے ہیں۔ ایک خاص تعلق پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس تعلق کو ایک خاص ضابطے کے ماتحت دوام دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی اس جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

آپ نے فرمایا کہ فرشتے دو وقت دن کے سے جاتے ہیں، ایک رات کے وقت دوسرے مہاشرت کے وقت۔

اور نگراں قرار نہ دیا جائے، تو پھر اس میں انتشار و بدنظمی پیدا ہونے کا خدشہ
اور جب اس میں انتشار و بدنظمی پیدا ہوگی تو رشتۂ مناکحت کا مقصد ہی فوت
ہو جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ مرد اور عورت میں کس کو نگراں و حاکم کا منصب
دیا جائے۔ اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے اس لیے اس نے عورت و مرد کی
مخصوص فطرت کے پیش نظر یہ درجہ مرد کو عطا کیا ہے۔ موجودہ دور میں مرد و عورت
کی مساوات کی جو کوشش کی جا رہی ہے، اسلامی شریعت کی رو سے یہ ایک
غیر فطری کوشش ہے اور واقعہ بھی ہے کہ یہ غیر فطری نظریہ جن قوموں نے پیش
کیا وہ بھی عملی طور پر ایک دن بھی اس پر عمل نہ کر سکیں، کیونکہ عورت کی مخصوص
جبلت اور اس کے فطری احوال و خواص اس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور جہاں ان
کو کچلنے توڑنے یا موڑنے کی کوشش کی گئی ہے، وہاں فائدہ کے مقابلہ میں نقصانات
زیادہ ہوئے ہیں۔ جن قوموں نے مساوات کی دستک میں عورت کو گھر سے نکال کر دفتر
پارک اور میدانِ سیاست میں پہنچا دیا ہے ان کا نتیجہ ان کے سامنے ہے۔ ہربرٹ
اس کی تصویر ایک مشہور رام کی پروفیسر نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

[illegible] ہوٹلوں اور ریستورانوں میں کھانے ہیں۔ ہماری روٹی ہمیں
سے آتی ہے۔ کپڑے لانڈری میں دھلتے ہیں۔ بچے نرسوں میں تربیت کے
لیے بھیج دیے جاتے ہیں۔ ان کی ماؤں کی طرف لوٹ کر آتے ہیں اب ان کے لیے سینما اور

تھیڑوں اور کتبوں کا رواج کرتے ہیں پہلے خاندان ہوتے دل بیچی کا مرکز تھے
وہی نرنی زندگی ہی۔ کیوں نہ آج بہشتی انس کی جاتی تھی گھر اب نہ رہے
کے فرد بکھر گئے۔ ۔ ۔ اگر بچے بھی آ رہتے ہیں تو ان کا وقت کی نوعیت ہی
ہے، ہمارے گھر ہمارے آرام گاہ تو ہیں استراحت کی جگہ نہیں رہے۔ ہمارے
ہمدرد گزارتے ہوں۔ ترجمان القرآن، جلد ۱۵ عدد ۱

قرآن میں مرد کو عورت کا درجہ دیتے ہوئے عورت پر اس کے اس فضیلت
کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے جس کی بنا پر عورت کے بجائے اس کو یہ مرتبہ
عطا ہوا ہے

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (النساء)

مردوں کو عورتوں کے اوپر قوام اس لیے بنایا گیا ہے کہ فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

قوام کے معنی: قوام مبالغہ کا صیغہ ہے نگراں اور خبر گیری کرنے والے کو کہتے ہیں اور نگراں و خبر گیری کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اس کے اوپر جس کی وہ خبر گیری کرتا ہے، کچھ امتیازات حاصل ہوں۔ اس امتیاز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کی حیثیت کم تر درجہ کی اور مرد کی حیثیت آقا کی ہو بلکہ بنیادی حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ یہ فرق اور مرتبہ تو صرف مرد کو بحیثیت ایسی ذمے داریوں کی بنا پر دیا گیا ہے جنہیں مرد کی مخصوص فطرت کے پیش نظر اسلام ان کی انجام دہی ہی پر ڈالتا ہے۔ چنانچہ

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ
بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ
دَرَجَةٌ (البقرہ)

کا کچھ مرتبہ ان سے زیادہ ہے۔

عورتوں کے حقوق یا مرد کے فرائض

جب زید حقوق ہیں یا دوسرے الفاظ میں ہر ایک حق کے مقابل
قوام اور ذمے دار ہونے کی حیثیت سے مردوں کے حقوق زیادہ ہیں۔
البتہ قوام ہونے کی حیثیت سے شوہر کا پہلا فرض ہوتا ہے کہ
بات کرنے سے پہلے سوچے، ان میں سے کیا ضروری ہے۔ ہر مرد کو کتنا وقت
وقت دے کر دینا چاہیے، اگر اس وقت نہ کرسکے تو اس کے لیے عورت سے
معذرت لینی چاہیے۔ یہ ایسا حق ہے کہ ادا نہ کیے جانے کی صورت میں
بھی شریعت نے مرد کے اوپر اس کی ادائگی ضروری قرار دیا ہے۔ اگر عورت
کو ادائگی کی مہلت دے دے تو اور بات ہے، ورنہ کرنا چاہیے۔

حیثیت، مرضی اور خواہش کا لحاظ بالکل نہ کیا جائے گا، بلکہ اس کا خیال بھی شوہر کو کرنا پڑے گا۔

قرآن میں نفقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۔ (طلاق)

فارغ البال آدمی کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جو تنگ حال ہو اس کو بھی چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (بخل نہ کرے)

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (بقرہ)

خوش حال پر اس کی وسعت کے مطابق نفقہ ہے اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق ہے۔

یہ احکام کو طلاق کے متعلق کے ہیں مگر ان کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر رشتہ یعنی اس رشتے کے کٹ جانے کے بعد بھی مرد کی حیثیت سے لحاظ کرنا ضروری ہے تو نکاح یعنی اس رشتے کے قائم کرتے وقت بدرجہ اولیٰ ضروری ہونا چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! عورتوں کے بارے میں ہمارے کیا حقوق ہیں؟" فرمایا۔

اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ

جب تم کھاؤ تو ان کو بھی کھلاؤ جب

وَتَسْتُرْنَ إِذَا كُنْتَ ذَا كَيْتَ وَذَا — تم پہنو تو ان کو کچھ پتا نہ ہو اور ان کے منہ

تُطَيِّبُ نُفُوجَهَا وَلَا تَقْلِمُ — پر نہ ہو ان کی شکل و صورت اور ان

وَلَا تَبْجَرُ إِلَّا فِي الْبَيْتِ — کے کام کاج میں عیب نہ نکالو اور بڑبڑاہٹ

(ابوداؤد ابن ماجہ) — کہو (اور اگر کچھ ناگواری ہو جائے تو)

گھر کے اندر اس کی خواب گاہ اپنے سے علیحدہ کر دو، یعنی ناراضگی اپنی طرف

ہو جائے کہ وہ گھر کے باہر جیکے وغیرہ جانے پر مجبور ہو۔

آپ نے اپنے آخری حج میں جو خطبہ دیا تھا اس میں بہت سی باتوں کے ساتھ فرمایا:

تم وَإِنَّ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ نَفَقَتُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ان کے کھانے

پہننے اور کپڑے کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ قرآن و حدیث کی انہی ہدایات

کی روشنی میں فقہائے حسب ذیل احکام مستنبط کئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حال میں شوہر کی حیثیت اور اس کی آمدنی کو نفقہ

متعین کرنے کا معیار قرار دیا ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ علیہم نے

درمیان کی راہ اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ جس خاندان کی آمدنی کا کیا جائے تو

کہ عورت کی حیثیت بالکل نظر انداز نہیں کی جائے گی۔ قرآن و حدیث کی مذکورہ

روایتوں سے بھی اس رائے کی زیادہ تائید ہوتی ہے۔

خصوصی مسائل ... اگر مرد مالدار ہو یا اس کی آمدنی اچھی خاصی ہو اور

عورت بھی مالدار گھرانے کی ہو تو مرد کو اپنی حیثیت اور عورت کی حیثیت نہ

سے زائد کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(۳) اگر مرد غریب اور تنگ حال ہے اور عورت مالدار ہے تو عورت پر لازم ہے کہ مرد کی حیثیت کے موافق اس کے ساتھ سلوک کرے اور اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔ عورت مرد کی حیثیت سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

(۴) اگر کوئی مرد غریب ہو اور عورت مالدار ہو تو عورت پر لازم ہے کہ مرد کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے نفقہ دے۔ اگر عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو عورت کو اس کی حیثیت سے زیادہ نفقہ طلب نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ورثاء سے کچھ لینا چاہیے۔ عورت ورثاء کی حیثیت سے زیادہ نہیں مانگ سکتی۔

(۵) اگر کوئی مرد غریب ہو اور عورت مالدار ہو تو عورت پر لازم ہے کہ مرد کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے نفقہ دے۔ اگر عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو عورت کو اس کی حیثیت سے زیادہ نفقہ طلب نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ورثاء سے کچھ لینا چاہیے۔ عورت ورثاء کی حیثیت سے زیادہ نہیں مانگ سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ

اے نبی اپنی ازواج سے کہہ دیجیے کہ اگر

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ

اَمْتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ

سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ

تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تو اللہ تعالیٰ نے نیکوکار عورتوں کے لیے

وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ

بہت بڑا اجر رکھا ہے۔

اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا

عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ

آرائش و زیبائش کی یوں اور ان سے کوئی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو
مثلاً: پان، تمباکو، پاؤڈر، لپسٹک وغیرہ، ان کا فراہم کرنا مرد پر فرض نہیں
نہیں ہے۔

(۶) اگر عورت ایسے گھر کی ہے جہاں لوگ اپنے ہاتھ سے کام کاج نہیں کرتے بلکہ نوکر چاکر کرتے ہیں، یا عورت اتنی کمزور یا مریض ہے جس کی وجہ سے اس سے گھر کا کام کاج نہیں ہوتا تو شوہر ایسی عورت کو کام کاج پر مجبور نہیں کر سکتا بلکہ اس کو بغیر کام کیے ہوئے بٹھا کر روٹی کپڑا دینا پڑے گا۔

اگر ایسی عورت اپنی ذاتی کام کے لیے یا گھر کے کام کاج کے لیے ملازمہ رکھنا چاہے، تو شوہر اگر خوش حال ہے تو اس کو ملازمہ رکھنا پڑے گا اور اس کا خرچ اس کو دینا پڑے گا، لیکن اگر شوہر کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ملازمہ رکھ سکے تو پھر عورت کو گھر کے اندر کا کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کرنا پڑے گا، اور مرد کی ذمے داری ہوگی کہ وہ باہر کا کام خود کرے۔ مثلاً سودا سلف، جنس، لکڑی اور پانی وغیرہ گھر تک پہنچا دے اگر مرد یہ چیزیں فراہم نہیں کرتے تو عورت پر ان کی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ پکے ہوئے کھانے کی فراہمی مرد کے اوپر واجب نہیں ہے بلکہ اس کو صرف پانی اور سبزی فراہم کر دینا فرض ہے۔ عورت اپنے ہاتھ سے اپنا کپڑا دھوئے، اگر مرد دھلائی دیتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے۔ یعنی یہ عورت کا

[illegible] ہے رئیس رقم کے خیال میں یہ مرد کا احسان اس صورت میں تو
ہو سکتا ہے جب اس کے اندر اس ادائگی کی استطاعت نہ ہو اور پھر بھی وہ دیتا
ہو یا عورت اپنے گھر اس کی حاوی رہی ہو لیکن شوہر اپنے حریت اس کو اپنے ہاتھ
سے پھینکنے نہیں دیتا بلکہ زبردستی سے دلواتا ہے۔ لیکن جب مرد میں استطاعت
ہو یا عورت اس کام کی حاوی نہ ہو تو اس کو پڑے کی دلوائی بطور حق ملنی چاہیئے
جب مرد کی وسعت اور عورت کی حیثیت کا خیال کرے اس کو خارج ہو سکتا ہے اور
صحت و صفائی کی دوسری چیزیں بطور استحقاق کیوں نہ ملنی چاہیئے۔ البتہ اگر عورت
اس کا بار مرد پر نہ ڈالے تو یہ اس کا احسان ہے، ورنہ اس تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ
دونوں ایک دوسرے سے صرف قانونی تعلق نہ رکھیں بلکہ اخلاقی تعلق بھی رکھیں
جس کی بنیاد ایک دوسرے کی کفالت و آرام کا خیال رکھنا ہے۔

اسی وجہ سے فقہا نے کہا ہے کہ زوجہ اپنے شوہر کے اور
اس کے [illegible] کے [illegible] واجب ہے، لیکن اس کے [illegible] اور
[illegible] واجب نہیں ہے، [illegible] کے [illegible] واجب ہے، اور
[illegible] کے لیے
[illegible] کے فرزند نے کو فقہا نے [illegible] واجب کہا ہے، تو پھر دوا علاج کیوں نہ
واجب ہو۔ پھر فقہا یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالغ لڑکوں کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے،

حق قرار دیا جانا چاہیے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] چاہیے نہ آنے دے [illegible]
[illegible] غسل خانہ، پاخانہ اور باورچی خانہ الگ [illegible]
[illegible] عورت کا حکم ہے جو شوہر معمولی حیثیت کا ہو، لیکن اگر شوہر
[illegible] تو اس کو ایسا گھر دینا چاہیے، جس میں اس کی خدمت کی تمام چیزیں
ہوں، مثلاً غسل خانہ، پاخانہ، باورچی خانہ وغیرہ (ردالمحتار شرح درمختار)

(۴) [illegible] جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، عورت و مرد کا تعلق محض ایک کاروبار کا تعلق نہیں ہے، بلکہ ان دونوں میں وہی تعلق ہوتا ہے، جو جسم و جان اور خون و گوشت میں ہوتا ہے، اس لیے ان کو جو حقوق دیے گئے ہیں، ان کا ادا کرنا محض اخلاقی طور پر نہ ہونا چاہیے، بلکہ ان کی ادائگی ایک عبادت اور آخرت کا ذخیرہ ہونا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دینار جو آدمی نے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا ہے، اور ایک دینار جو اپنے اہل و عیال پر صرف کرتا ہے۔ دونوں کا اجر برابر ہے۔ (مسلم)

آپ نے اوپر بتایا ہے بیوی سے حسن سلوک کی سخت تاکید کی ہے، حسن سلوک کا مطلب کیا ہے؟

حسن سلوک کا مطلب یہ ہے کہ اس کو روٹی، کپڑا، مکان اور دوسری ضروریات زندگی فراہم کرے، ہر وقت یہ نہ کہے کہ یہ تو میرے ذمہ حقوق ہیں، جن سے [illegible] بہرحال ادا کرنا ہوگا۔ خود خوش سے ادا کرے یا بجبر لیکن اس میں شک نہیں کہ [illegible] کی پاکیزگی، طہارت، اور راحت کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ [illegible]

پھر کیسا جینے رہنے کھانے پینے میں مساوات ہوتی چاہئے۔ شریعت
میں مرد کو عورت پر جو فضیلت دی گئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ مرد عورت کے
ساتھ فیاضی اور دریا دلی سے پیش آئے۔ قرآن بار بار اس طرف توجہ دلاتا ہے
کہ اس نازک فطرت کا لحاظ کیا جائے۔ قرآن کی یہ ہدایت حرز جاں بنانے
کے لائق ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء)

اور عورتوں کے ساتھ دستور کے موافق گذران کرو۔ اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ اس میں تمہارے لیے بہت سی بھلائیاں اور فائدے رکھ دے۔

اس آیت میں دو ہدایتیں دی گئی ہیں، ایک تو معروف طریقہ پر رہنے سہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معروف کا مفہوم بہت ہی وسیع ہے۔ اس میں ہر طرح کی قانونی، اخلاقی خوبیاں اور بھلائیاں آجاتی ہیں۔ اس کی پوری تفصیل آگے ارشادات نبوی میں آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ناپسندیدگی کی وجہ پیش آتی ہے، جب اس کو یا تو بیوی کی ظاہری خصوصیات

سے تو اس کی دوسری عادت اسے پسند

سُئِلُوا ... فَاتَّ

أَمْرٌ ... فِي

... بِالنِّسَاءِ

... وَلَا

... وَلَا

... وَلَا

بیوی کا شوہر کی طرف سے توجہ نہ ملنا بعض لوگ دیکھا گیا ہے

کہ وہ اپنی بیوی کی طرف توجہ نہیں دیتے، ان کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ عزیز اور

بے تکلف دوست ان کی توجہ پا کر بٹ جاتی ہے، ایسا کرنا بھی مناسب

ہے بلکہ ایک حد تک یہ بھی حق تلفی ہے اور شرعی طور پر حال کتنا ہی

اہم کیوں نہ ہو، کچھ وقت بیوی کے لئے ضرور نکالنا چاہئے اور بیوی کی طرف

سے بھی اگر توجہ نہیں ملتی، تو آپ نے اپنا کہ تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ

وَإِنَّ لِزَوْجَتِكَ عَلَيْكَ حَقًّا — تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے

بیویوں کے درمیان عدل اسلام نے شرعی عذروں اور ضرورتوں کی بنا پر

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی

لگا دی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں ان کے درمیان عدل قائم

کرنا شوہر کی ذمہ داری ہوگی، اگر وہ عدل قائم نہ رکھ سکے تو پھر اس کو ایک سے زیادہ شادی

کرنے سے روک دیا جا سکتا ہے۔ قرآن میں اس رشتہ دیوں کی اجازت دینے

کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً — اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم ان میں انصاف

بجائے دن میں بار بار کرنی چاہیے۔

(۳) اگر ایک عورت کے بچے بہت جلد جلد پیدا ہوتے ہوں اور دودھ پلانے کی وجہ سے اس کو کمزوری ہو جائے تو یہ تدبیر اس کے لئے بہت مفید ہے۔

(۴) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۵) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۶) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۷) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۸) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۹) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۱۰) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۱۱) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

(۱۲) عورت کو چاہیے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد اپنے کپڑے بدل لے۔

کی ہے کہ بیوی کو ساتھ لے کر اپنے ہی ایک [illegible] ظاہر کی خوبیوں کا
گرویدہ بنایا جائے بلکہ یہ تعلق بنیادی طور پر دینی و اخلاقی اقدار کو اپنانا چاہیے
تاکہ خاندان ایک مثالی ادارہ بن سکے۔ یہ تعلیم ہمیں قرآن و حدیث
کی آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر شوہر کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی دینی و اخلاقی تربیت بھی کرتا رہے۔ قرآن
میں ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے مسلمانو! اپنے آپ اور اپنے اہل و
قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا	عیال کو آگ سے بچاؤ۔

اس آیت کریمہ میں ہر اس شخص کو مخاطب کیا گیا ہے جو مسلمانوں کو دین کی باتیں بتاتے
تھے، علم کی تعلیم دیتے، زبانی مطالعہ کو دین و حکمت کی باتیں بتاتے رہتے تھے
چنانچہ یہ زبردست مطالبہ کیا گیا کہ

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ	اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں
بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ	پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی جو باتیں
الْحِكْمَةِ (احزاب)	سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ [illegible] سے
بے نیاز ہوتی ہیں تعلیم کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں
حاضر ہوتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی نرمی سے ان کو یاد رکھنے کی

آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ [illegible]

[illegible]

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

اپنے سب سے نزدیک رشتہ داروں کو ڈرا دو۔

بعض قبائل نے اسی بنا پر کہا تھا کہ اگر نبوت ہمیں کو ملنی تھی تو پھر [illegible]

[illegible] (بخاری و مسلم) [illegible]

[illegible] کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جو عام احکام قرآن [illegible] ہوئے ہیں ان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی کو باہر کی فکر سے پہلے گھر کی فکر کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اپنے قریبی لوگوں تک [illegible] کا حکم دیا گیا تھا۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

اپنے سب سے نزدیک رشتہ داروں کو خبردار کرو۔

بعض فقہا نے اسی بنا پر کہا ہے کہ اگر [illegible] کو [illegible] کہہ دے تو وہ طلاق دے سکتا ہے۔ اگرچہ وہ [illegible] (عالمگیری) دینی تربیت کی اس اہمیت کے پیش نظر انجمن اسلام نے یہ [illegible] کی ہے کہ اگر کوئی [illegible] کو [illegible] کرے کہ اس کو قرآن پڑھنے [illegible] نہ [illegible] کی نکاح ہو جائے گا۔ گواہ کو [illegible] نہ دینا پڑے گا۔

گویا دینی [illegible] تعلیم و تربیت میں [illegible] کو [illegible] رکھنا چاہیے [illegible]

قرآن میں عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا

حَفِظَ اللّٰہُ

نیک عورتیں وہ ہیں جو شوہر کی غیر موجودگی

میں اللہ کی توفیق سے اپنی عزت اور شوہر

کی ہر چیز کی حفاظت کرتی ہیں۔

عورت کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرے اوپر جو آیت نقل کی گئی ہے اس میں عزت و آبرو کی حفاظت کے ساتھ مال کی حفاظت بھی شامل ہے۔ حدیث میں بھی عصمت و عفت کی حفاظت اور مال کی حفاظت دونوں کے بارے میں سخت تاکید آئی ہے۔ آپ نے ایک جامع عورت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَا تُخَالِفُہٗ فِیْ نَفْسِہَا

وَمَالِہٖ بِمَا یَکْرَہُ (نسائی، بیہقی)

جو چیز کو شوہر اس کے نفس اور

اس کے بارے میں ناپسند کرتا ہے

خلاف وہ نہ کرے۔

آپ نے فرمایا کہ بہترین بیوی جنت میں نہ جائے گی جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہو اور آخرت کو بھلا بیٹھی ہو۔ دوسرے لفظوں میں جو عورت اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔

علیہ وسلم نے فرمایا کہ

پر جنسی ضرورت مراد ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فرمایا ہے۔ (مسند احمد)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ

(البقرہ)

اس کی برداشت کے مطابق ہی حکم دیا جائے نہ تو کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے، اور اگر باپ نہ ہو تو وارث خرچ وغیرہ کو کرنا چاہیے۔ اگر دونوں آپس کی رضامندی اور مشورے سے وقت سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم کسی دوسری عورت سے اپنے بچوں کو دودھ پلوانا چاہتے ہو تو اس میں بھی کوئی گناہ

نہیں ہے بشرطیکہ کہ جو کچھ تم دستور کے مطابق دینا طے کرو دے دو۔

ان آیات کی روشنی میں فقہاء نے حسب ذیل احکام مستنبط کیے ہیں

دودھ پلانا کب واجب ہے اور کب مستحب؟ بچہ کن صورتوں میں دودھ

پر دودھ پلانا واجب ہے اور کن صورتوں میں مستحب۔ دونوں صورتوں کا فرق

بیان کیا ہے۔

(۱) اگر باپ کو قدرت ہے تو ان کے اوپر بچے کو دودھ پلانا واجب ہے

ہے جیسا کہ قرآن کے پہلے جزو سے ظاہر ہے کہ باپ ہی کو اولاد کا ذمہ دار

ہے عدت کے بغیر اجرت کے سوا دودھ پلانا چاہیے۔

۲۔ اسی طرح اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی کا دودھ نہیں پیتا تو بچی عورت

پر بچے کو دودھ پلانا واجب ہے۔

۳۔ جب کہ حکمہ بن عورتوں میں سے ان کو دودھ پلانا واجب ہے، ان میں

سے عورت اجرت مانگ سکتی ہے، اور اس خدمت سے انکار کر سکتی ہے۔ اگر

کوئی اور عورت نہ ملے گی، اور اس کو دودھ پلانے پر قانوناً مجبور کیا جائے گا

کیونکہ اس کو دودھ نہ پلائے گی، تو باپ کو خواہ مخواہ ایک زحمت اٹھانی پڑے گی

۴۔ قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا یعنی باپ اپنے لڑکے

کی وجہ سے زحمت و مشقت میں نہیں ڈالا جا سکتا

جن صورتوں میں واجب نہیں ہے: جن صورتوں میں دودھ پلانا واجب نہیں ہے،

۱۔ اگر وہ بیمار ہے اور وہ اس عورت کو اجرت پر رکھ کر دودھ پلوا سکتا ہے

ہے، اور اس صورت میں اگر اس دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے تو اس کو اس حق پر

۲۔ اگر وہ ماں مر چکی ہے، یا بہت کمزور ہے، تو باپ کا فرض ہے کہ وہ اس

سے دودھ نہ پلائے، اور نہ عورت کو تکلیف پہنچے گا اور قرآن میں اس سے منع کیا

گیا ہے۔ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا، ماں اپنے بچے کی وجہ سے کسی مشقت میں

نہیں ڈالی جا سکتی۔

جس صورت میں ماں دودھ پلانے سے معذور ہے، وہ معذور نہیں ہے

(۲) ماں جب تک اس شوہر کے نکاح میں ہے جس کا یہ لڑکا ہے تو اس دینے کے علاوہ شوہر سے دودھ پلانے کی الگ سے اجرت لینے کا حق نہیں ہے۔

(۳) ایک ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، مگر کسی وجہ سے شوہر نے طلاق دے دی، تو اب عدت تک اس عورت کو بابت اجرت کے دودھ پلانے پر مجبور کیونکہ عدت تک شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہے، مگر عدت گذر جانے کے بعد اجرت طلب کر سکتی ہے اور باپ کو دینی پڑے گی۔

(۴) اگر باپ بچے کی مطلقہ ماں سے عدت کے بعد دودھ پلوانا چاہے کسی دوسری عورت سے دودھ پلوا سکتا ہے، تو اگر ماں اجرت طلب کرتی ہے دوسری عورت مفت میں دودھ پلا رہی ہے تب تو باپ کو اسی عورت سے دودھ پلوانا چاہیے، لیکن اگر یہ عورت بھی اجرت لیتی ہے، تو اگر یہ اجرت مطلقہ ماں اجرت سے کم ہے، تو اس صورت میں بھی باپ دوسری عورت سے دودھ پلوا سکتا ہے، لیکن اگر دونوں کی اجرت برابر ہے، یا دوسری عورت کی اجرت زیادہ ہے تو بچہ باپ کے لیے ضروری ہے کہ اس بچے کو اس کی مطلقہ ماں سے دودھ پلوائے اور اجرت دے۔

<u>حضانت</u> بچے کی پرورش بچے کی پرورش کرنے کو حضانت کہتے ہیں۔ شوہر و بیوی کے فراق کے صدمے میں دونوں کا ایک اہم فریق بچہ کی پرورش بھی ہے۔ گو یہ دونوں کا مشترکہ حق ہے یعنی بچے کی پرورش دونوں کو کرنی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سے دونوں کو دل چسپی ہوگی۔

بال کے بچنے پر ورزش کا اثر

یہ فائدہ ہے جو ورزش کرنے والے کو ہوتا ہے۔ اگر ورزش نہ کرے تو

کے نام کوئی جائداد یا نقد رقم چھوڑے تو اس کی [illegible] ذمہ داری ہوتی ہے
اس کا ذکر تجہیز کے بیان میں آچکا ہے اور اگر اس کے نام کوئی جائداد نہ ہو
ہے، تو پھر بچے کے ان قریبی رشتے داروں کے ذمے ہے جو اس کے وارث ہو سکتے ہیں
اور ہر ایک پر میت کے اعزا سے خرچ کی ذمے داری ہوگی۔ مثلاً اس کا دادا بھی زندہ
ہے اور ماں بھی تو دو حصے کا خرچ دادا کو دینا پڑے گا، اور ایک حصہ ماں کو۔ اسی
طرح دوسرے اعزا پر اس کی ذمہ داری ڈالی جائے گی۔

تعلیم و تربیت | بچے کی جسمانی پرورش اور صحت کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ
ذہنی و اخلاقی تربیت بھی سب سے پہلے [illegible] اس کے بعد [illegible]
اگر کنول نے اس کے جسمانی پرورش [illegible] تربیت [illegible]
ہاتھ اٹھوں نے رشتہ تربیت کے ایسے [illegible] طرف معاشرے میں [illegible]
جس بچے کی ذہنی و اخلاقی تربیت [illegible] تو اس سے [illegible]
سب کا بڑا ہو کر وہ اپنے ماں باپ کے بجائے اپنے خاندان [illegible]
کے لیے ذہنی و اخلاقی حیثیت سے [illegible] بچانے [illegible]
ایک لڑکے کی تعلیم و تربیت ایک فرد [illegible] خاندان [illegible]
کی تعلیم و تربیت [illegible] ہے کہ ایک خاندان [illegible]
ہیں کہ ایک خاندان [illegible]

عَنْ رَحِمَتِهٖ -

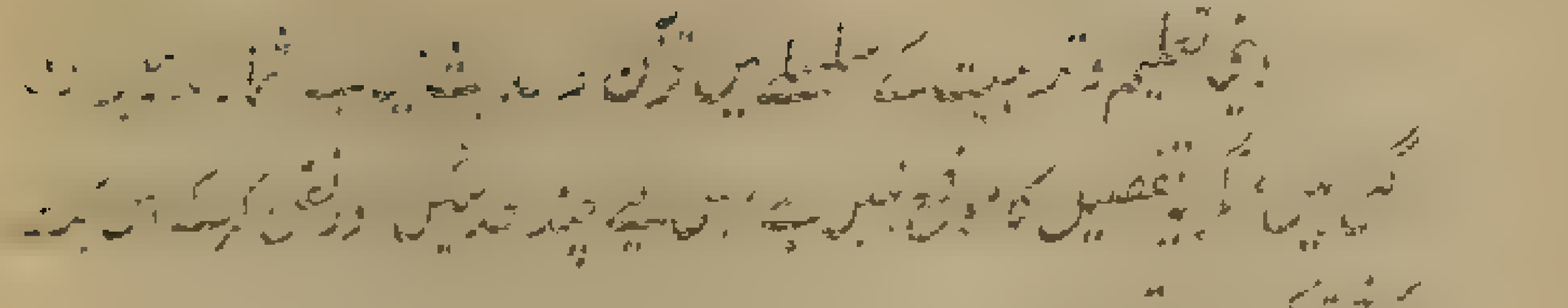

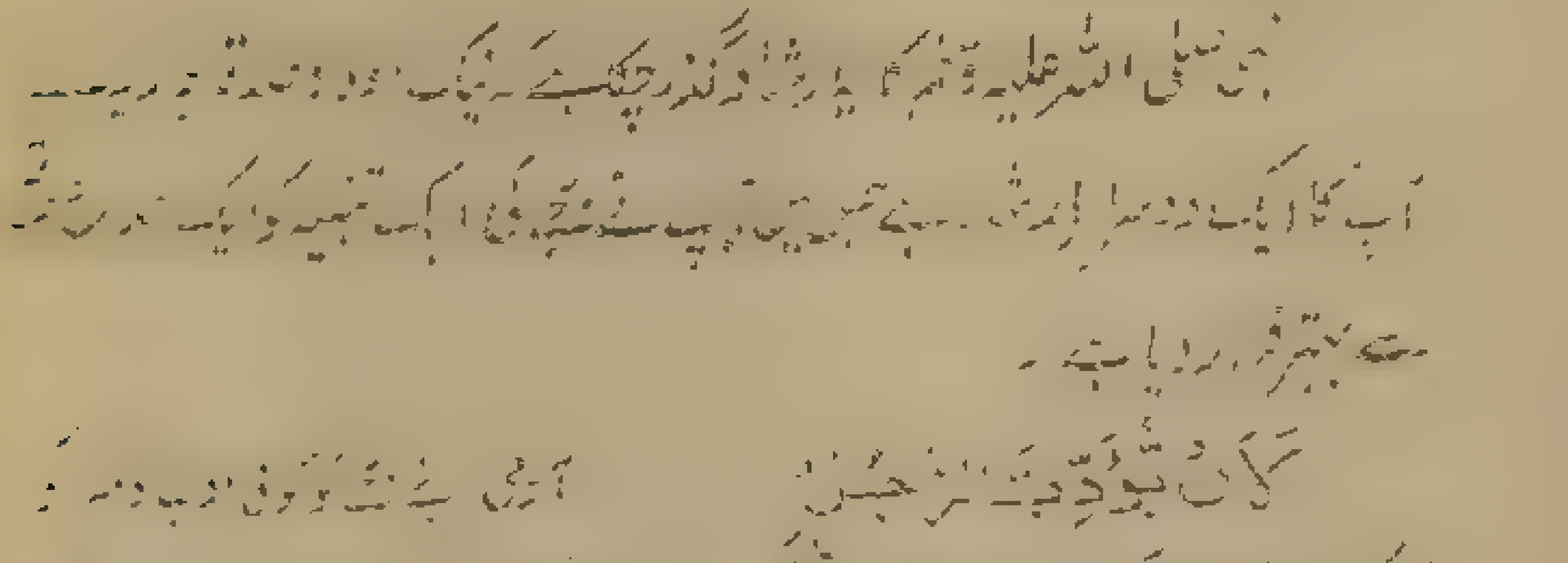

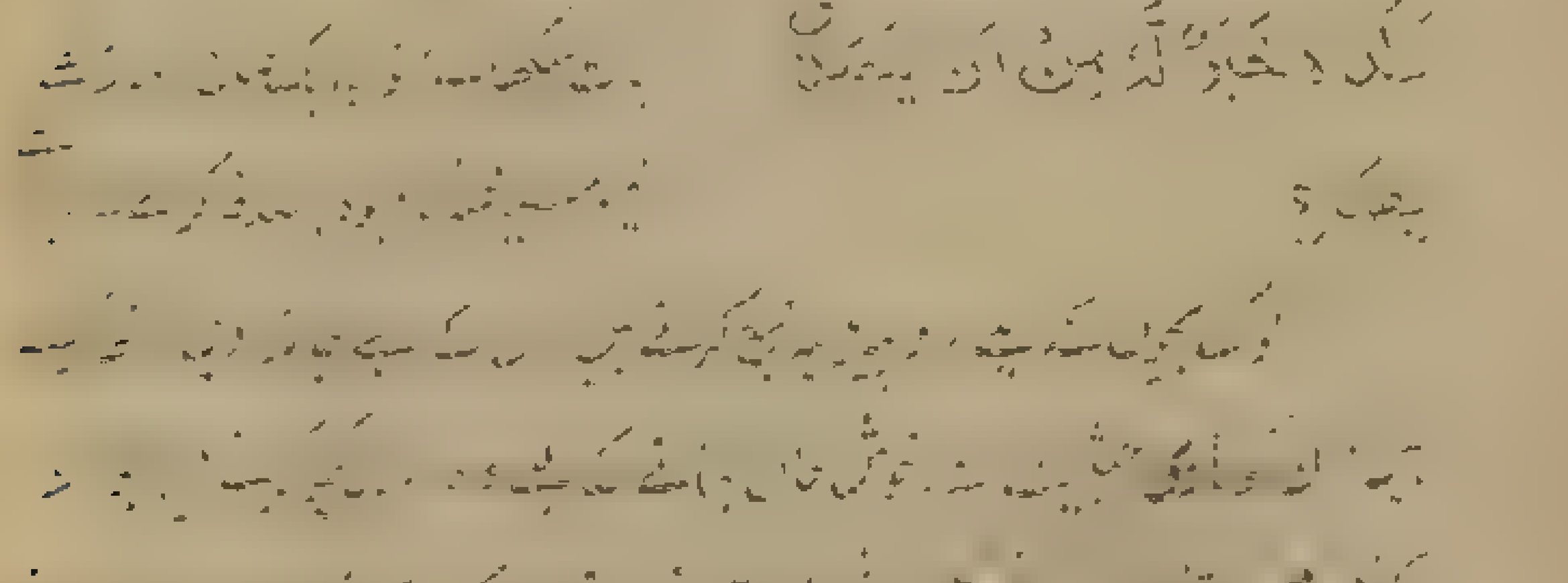

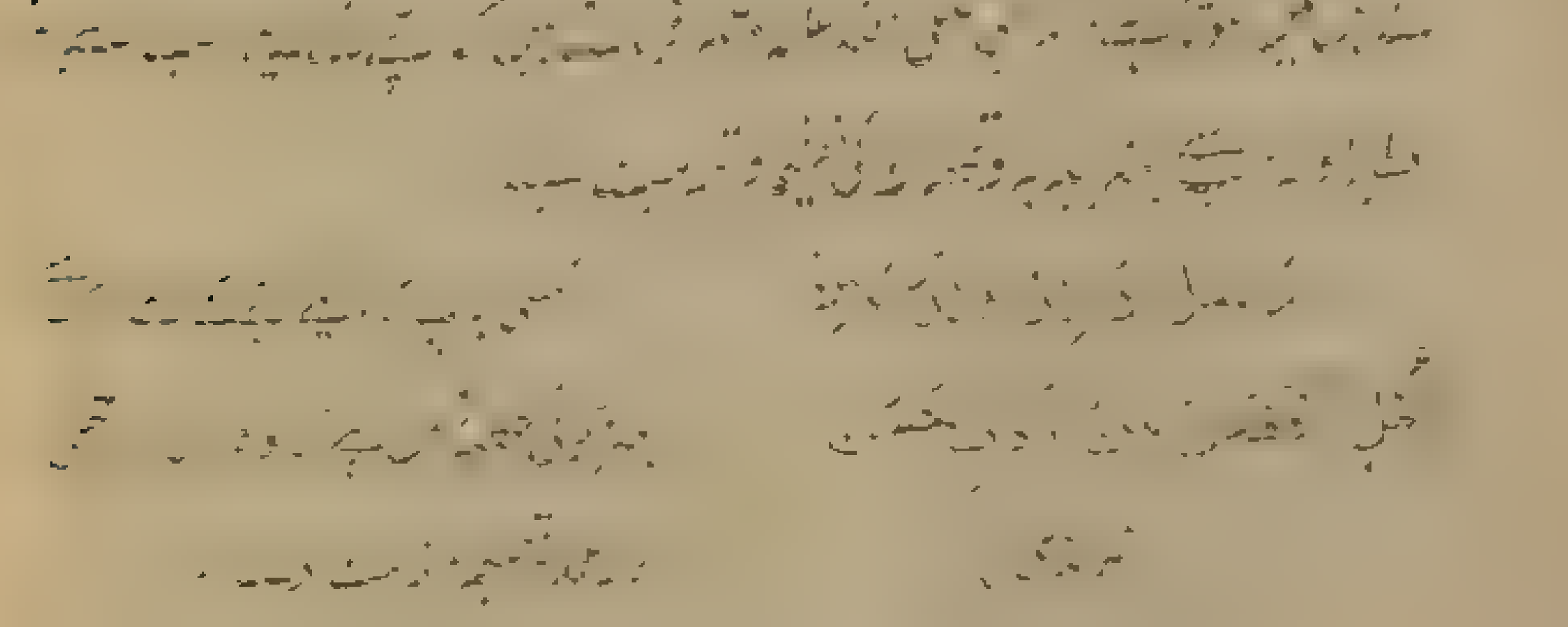

البقرة :

آخر میں ان کی قسم کھا کر اس بات کو پختہ کیا جا رہا ہے۔

ایلاء کی تعریف : ایلاء کے لفظی معنی قسم کھانے کے ہیں، لیکن شریعت میں بیوی کے ساتھ نہ ملنے کی قسم کھانے کو ایلاء کہتے ہیں۔

اس قسم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کی ذات، اس کی صفات کی قسم کھا کر کہے کہ میں تجھ سے کبھی نہ ملوں گا، دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کی ذات یا صفات کی قسم کھا کر کسی چیز پر حلف کرے۔ جیسے یہ کہے اگر میں صحبت کروں تو مجھ پر حج ہے، یا اتنی رقم صدقہ کرنی ہے۔

اگر کوئی ایسی قسم کھا لے تو اس کو چار مہینے انتظار کرنا ہوگا۔

ایلاء کی قسمیں : ایلاء کی دو قسمیں ہیں : ایک یہ کہ قسم کھا کر یا بغیر قسم کھائے یہ کہے کہ میں اپنی بیوی سے چار مہینے یا پانچ مہینے یا اس سے زیادہ عرصہ تک صحبت نہ کروں گا، تو یہ ایلاء ہوگا، کیونکہ اس نے اس کی ایک مدت مقرر کر دی ہے۔ اور اگر اس نے کوئی مدت مقرر نہ کی، بلکہ یہ کہا کہ میں کبھی بھی تجھ سے صحبت و مجامعت نہ کروں گا، تو بھی ایلاء ہوگیا، اور اس کا حکم یہ ہے

[illegible]

جب دونوں خاوند بیوی کا ارادہ نہ رہے گا تو خود بخود وقت ایلاء کا ہو جائے گا
خواہ عورت مطالبہ کرے یا نہ کرے گا۔ یعنی اگر وہ چار مہینے کے اندر اس سے صحبت
کرے تو اس کو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور ایلاء ختم ہو جائے گا اور اگر اس
نے چار مہینے کے اندر بیوی سے مباشرت و صحبت نہیں کی تو پھر ایک طلاق بائن
پڑ جائے گی یعنی دونوں کا رشتہ نکاح ٹوٹ گیا۔ اگر وہ دونوں پھر میاں بیوی بن کر
رہنا چاہتے ہیں تو دونوں کو پھر سے نکاح کرنا ہوگا۔ قسم کے کفارہ اور طلاق بائن
کا حکم آگے آتا ہے۔

مؤقت اور مؤبد دونوں ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے غصے میں یا اور کسی
سبب سے بیوی سے چار مہینے کے اندر اندر صحبت و مباشرت کرلی تو قسم کا
کفارہ دینے سے قسم کا کفارہ ادا کر دے اگر اس نے چار مہینے تک بیوی سے
کوئی تعلق نہ رکھا تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔ مؤقت اور مؤبد ایلاء میں صرف اتنا فرق ہے کہ مؤقت
میں اگر چار مہینے کے بعد صحبت نہ کرے اور طلاق پڑ جائے اور پھر دوبارہ
اس سے نکاح ہو اور اس کے بعد وہ پھر چار مہینے یا سال دو سال بھی صحبت نہ
کرے تو دوبارہ اس عورت پر طلاق نہیں پڑے گی۔ لیکن مؤبد ایلاء میں یہ قسم
کھانے کے بعد اگر کبھی بھی اس سے صحبت نہ کرے گا تو چار مہینے صحبت نہ کرنے
کے بعد اس کو طلاق بائن پڑ گئی اب اگر اس نے دوبارہ اس سے نکاح کر کے اپنی

طلاق کا بیان

[illegible]

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ

اگر تم دونوں میں شدید اختلاف کا خوف ہو تو (اس کو نہ بڑھنے دینے کی صورت یہ ہے کہ) ایک ثالث پنچ مرد کی طرف سے اور ایک پنچ عورت کی طرف سے مقرر کر دیا جائے اگر یہ دونوں اصلاح و درستی کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں

[illegible]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

بڑا کام انجام دیا۔ (مسلم)

ملائکہ خدا اور رسول کو بہت ناپسند اور شیطان کو اس سے بہت
خوشی ہوتی ہے اور یہ بات سچ ہے کہ جب سے فلاں میاں بیوی میں جدائی کرا کے
یہ تین کر شیطان اس کو گلے سے لگا لیتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے
اور بڑا کام انجام دیا۔ (مسلم)

ملائکہ خدا اور رسول کو بہت ناپسند اور شیطان کو اس سے بہت
خوشی ہوتی ہے اور یہ بات سچ ہے کہ جب سے فلاں میاں بیوی میں جدائی کرا کے
یہ تین کر شیطان اس کو گلے سے لگا لیتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے

معنی بھی نکل سکتے ہیں ۔

چاہیے تو نہ ہوگا۔

مسئلہ ۔ جو شخص ایک طلاق رجعی دینے کا حکم دے، اگر اس نے تین طلاق دے دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

مسئلہ ۔ جو شخص ایک طلاق رجعی دینے کا حکم دے، اگر اس نے تین طلاق دے دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

ہے۔ تو طلاق بائن پڑے گی۔ اطلاق مقتضیٰ طلاق ہے کنایہ کے

کنایہ کے الفاظ کنایہ سے مراد یہ ہے کہ جس الفاظ سے طلاق دینا

جو اس لفظ میں طلاق ہی کے لیے مخصوص نہ ہوں بلکہ جن کو مخاطب غلط بھی سمجھ

سکے، ان کا مفہوم بیان کرنا۔ مثلاً کہا جائے کہ میں نے تجھ سے علیحدگی

اختیار کر لی ہے یا تو میرے گھر سے چلی جا یا اپنے میکے میں جا کر رہ وغیرہ وغیرہ اگر طلاق دینے والے

نیت کی ہے، تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو طلاق

نہیں ہوگی۔ اور اگر نیت کی ہے تو طلاق رجعی پڑے گی۔ اور اگر تین طلاق

کی نیت کی ہے تو تین طلاق پڑ جائیں گی۔ اور اگر دو طلاق کی نیت کی ہے تو دو طلاق

پڑ جائیں گی۔ اگر طلاق دینے والے نے نیت نہیں کی تو طلاق رجعی ہوگی۔

اور بہتر یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے تاکہ عورت عدت گزار کر

اپنے لیے جو مناسب سمجھے کرے۔ اور اگر تین طلاقیں دینا چاہے تو

تین طہر میں دے۔ اور بہتر یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے

اور اس طہر میں جماع نہ کیا ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ عورت سے

گفتگو اس کے ہر حیض میں جب ہو نا رہتا ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو

کی جائز اولاد نہ ہوگی۔

جائے گا۔

ہی دینے کا تھا۔

کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔

ور شوہر سے پردہ کرنا چاہیے ۔

[illegible]

[illegible] کر دعوت کرکے اسے اپنے ہاں ہفتوار کرنے کی خواہش کرنی چاہیے اور اس سے
بالکل نہیں کرنا چاہیے کہ یہ رشتہ اسے منظور نہیں ہے۔ لڑکے کو اپنا اطمینان
کے ساتھ اپنا فیصلہ کرنے دینا چاہیے جیسا کہ لڑکی کے معاملہ میں کیا جاتا ہے۔
لڑکے کو بھی لڑکی کی طرح اس کے گھر جاکر اسے دیکھنے کا حق ہے۔ لڑکی کے
گھر پر لڑکے کو بھی ہفتوار کرنے کی دعوت دینا چاہیے اور اس سے ملاقات پر زور کرنا چاہیے جس طرح لڑکی سے
کیا جاتا ہے۔

طلاق اور عدت کے بعد [illegible] طلاق رجعی میں عدت گذرنے سے پہلے
شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے، لیکن عدت گذر جانے کے بعد یہ حق
ختم ہو جاتا ہے، اب یہ طلاق رجعی یا طلاق بائن ہوگی۔ اب اگر عدت ختم
ہونے کے بعد مرد چاہے، اور عورت دونوں چاہتے ہیں کہ پھر دونوں میں رشتہ
نکاح قائم ہو جائے تو پھر سے نکاح کرنا ہوگا۔ اس صورت میں نکاح
کو جتنے کے مانند دونوں نکاح کے پھر بال بچے ہو سکتے ہیں۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]

طلاق نہیں پڑے گی۔

اس کے مہر سے عورت ادا ہو جائے گا۔

احکام میں کچھ فرق ہے

یا تیسری طلاق دیے گا تو دیتی۔

ب ب ب ۔ اس نے کہا کہ تو فلاں گھر میں جائے گی تو تجھ کو طلاق ہے، اب وہ گھر گر گیا تو اب طلاق واقع نہ ہوگی، خواہ وہ دوبارہ کیوں نہ بنا لیا گیا ہو۔

بعض اور مسائل (۱) اگر کسی نے کہا کہ تو اگر فلاں کے گھر جائے گی تو طلاق ہے، جب جب بھی عورت اس کے گھر جائے گی تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی، اگر اس نے ان سب موقعوں پر لفظ طلاق سے نیت سے کہا تو اس سے ایک طلاق بائن پڑے گی۔

(۲) شرط لگا کر جتنی طلاق دے گا پڑ جائے گی، مثلاً یہ کہا کہ تو اگر اپنے میکے جائے تو تجھ کو دو یا تین طلاق ہے تو جتنی دے گا پڑ جائے گی۔

(۳) اگر کسی نے کہا کہ فلاں کام کیے گی تو طلاق ہے، اس نے وہ کام کر لیا تو طلاق پڑ گئی، پھر شوہر نے اس سے رجعت کر لی یا نکاح کر کے پھر اپنے نکاح میں لے لیا، اس عورت نے پھر دوبارہ وہی کام کیا، جس کی بنا پر اس نے پہلی دفعہ طلاق دی تھی تو اب دوبارہ کہنے سے اس کو طلاق نہیں پڑے گی، لیکن اگر اس نے کہا کہ جب جب یا جب بھی تو فلاں کام کرے گی تو تجھ کو طلاق ہے تو رجعت کر لینے کے بعد بھی دوبارہ کہنے سے تو دو طلاق اور تین ہی بار کہنے سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

عورت کو طلاق کا اختیار دینا | کسی مرد نے اپنی طلاق دینے کا یا خود اپنا بیوی کو دے دیا تو یہ حق اس کو حاصل ہے۔ اس کو تنویض طلاق کہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا کہ "تو طلاق لینے کا اختیار رکھتی ہوں" یا "تمہارے اوپر طلاق

کا مسئلہ ڈالتی ہوں تو اگر عورت فوراً یہ کہہ دے کہ میں نے ایک یا دو طلاق بائن تو جیسے ہی طلاق کا ذکر کرے گی پڑ جائے گی۔ لیکن اگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہا بلکہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، یا دوسرا کام کرنے لگی، تو اب یہ اختیار اس کا ہے۔ البتہ اگر اس طرح کہا ہو کہ تو جب چاہے یا جس وقت چاہے طلاق لے لے تو پھر اس کو ہمیشہ اختیار رہے گا کہ جب چاہے وہ طلاق لے کر علیحدہ ہو جائے۔

تحریری طور پر کسی دستک کے مرہون منت یا خود شوہر تفویض اختیار کر سکتا ہے عورتوں کو مرد کے مقابلہ میں طلاق کے حق استعمال سے تحفظ رکھنے کی یہ ایک بہت اچھی شکل ہے اس کی مزید تفصیلات اس بیان کے آخر میں آئیں گی۔

اگر کسی نے انگلی کے اشارے سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے تو جتنی انگلیوں سے اشارہ کرے گا اتنی طلاق پڑ جائے گی، اشارے کے وقت جو انگلیاں کھلی ہوں ان کا اعتبار کیا جائے گا، بند انگلیوں کا نہیں۔

اگر کسی نے زبان سے طلاق نہ دی، بلکہ تحریر کی صورت میں طلاق نامہ عورت کو دے دیا تو بھی طلاق ہو جائے گی تحریر میں جتنی طلاقیں لکھی ہوں گی اتنی ہی پڑ جائیں گی۔

اگر کسی نے مسئلہ جاننے والے سے پوچھا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے اب رجوع کرنا چاہتا ہوں کیا کروں؟ اس نے بغیر پوچھے گچھے فتویٰ دے دیا کہ رجوع کر لو، حالانکہ عورت کو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

تعلّقات کا بیان

تعلق بنانے یا توڑنے کے متعلق کچھ باتیں

[illegible]

ہے، اس کو بناؤ سنگھار کرنے کی اجازت ہے

طلاق رجعی کی طرح، طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کی عدت بھی تین حیض ہے اس کو بھی نہ تو عدت بھر کسی سے نکاح کرنا چاہیے اور نہ عدت بھر گھر سے باہر نکل کر کہیں اور جانا چاہیے۔ ان دو باتوں کے ساتھ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بناؤ سنگھار نہ کرے۔ یہ تینوں چیزیں بیوہ عورت کے اوپر حرام ہیں۔

جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو وہ اسی شوہر سے عدت کے اندر بھی نکاح کر سکتی ہے، لیکن دوسرے کسی سے اگر عدت کے اندر نکاح کرے تو سخت گناہ بھی ہوگا اور نکاح بھی نہ ہوگا۔

(۲) جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو | جن عورتوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے ابھی حیض نہ آیا ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض کا آنا بند ہو چکا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے، قرآن میں ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ
الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ
اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ
ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ

اور تمہاری بیویوں میں سے جن عورتوں کو حیض آنا بند ہو گیا ہو ان کے بارے میں اگر شبہ ہو تو ان کی اور جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے۔

(طلاق)

(۳) موت کی عدت | تین دن سے زیادہ کسی کے مرنے کا غم کرنا، سوگ

[illegible] غم تین دن سے زیادہ منانا درست نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا حرام ہے لیکن [illegible] ہے کہ اپنے شوہر کے مرنے کا اتنی اہمیت [illegible] عورت کو نہیں چاہیئے کہ غم کرنے اور سوگ منانے کی اجازت دی گئی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ — کسی مسلمان عورت کے لیے جو خدا اور

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ — آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرد

تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثٍ — کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ وغیرہ کا اظہار کرے لیکن

اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ — اپنے شوہر کی موت پر وہ چار مہینے دس دن تک سوگ

رشتہ ازدواج کی وضاحت سے کتنا ہے شوہر کا رشتہ بیوی سے زندگی

بھر کا ہے ایک طلاق سے زندگی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ طلاق

کی عدت کا حکم قرآن میں بیان ہوا ہے۔ شوہر کی وفات کا حکم بیان کیا گیا ہے "اگر

کسی عورت کا شوہر مر جائے" خواہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو اس کی عدت چار مہینے

دس دن ہے۔ قرآن میں ہے :-

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ — جو لوگ تم میں سے انتقال کر جاتے ہیں

مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا — اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ — بیویاں چار مہینے دس دن تک اپنے کو روکے

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (بقرہ) — رکھیں۔

قرآن میں چار مہینے دس دن اپنے کو روکے رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس
کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ نکاح کریں اور نہ شوہر والی عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار
کریں اور نہ عدت باہر جائیں۔ گویا اس مدت میں عدت کی وہ سختی اور شوہر
والی

بازدہیں۔

مطلقہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہے اس کے اظہار غم کرنے، سوگ منانے
اور بناؤ سنگھار نہ کرنے کی مزید تفصیل یہ ہے۔

(۱) جس عورت کا شوہر مر گیا ہے اسے چار مہینے دس دن اور جس عورت
کو طلاق بائن یا طلاق رجعی مل چکی ہے اس کو تین حیض تک یعنی جب تک وہ
تین مہینے باہر نہ جانا چاہیئے جس میں اسے طلاق ملی ہے۔ شوہر کا انتقال ہونے
اور عورت کو نکاح کرنا چاہیئے اور نہ شوہر والی عورتوں کی طرح زیبائش و
آرائش کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ نہ اچھے کپڑے پہننے چاہئیں۔ نہ خوشبو لگانی
نہ عطر تیل لگانا چاہیئے۔ نہ کنگھی کرکے مانگ نکالنی چاہیئے۔ نہ سرمہ لگانا
نہ پان کھانا چاہیئے اور نہ عورت کو نہ زیور پہننے چاہئیں۔ یہ سب باتیں عورت

(۲) اگر عورت کو دو تین مہینے ہوئے ہیں تو مہینے والے اور دن والے
میں کوئی عورت نہیں ہے۔ نہ شبہ ہو نہ کہا جائے۔ نہ کہا جائے۔ نہ کہا جائے۔

باہر نہ نکلنے کی وجہ سے نہ ہو۔ آمدنی نہ ہو یا کفایت نہ ہو تو
کھانے اور رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

وضعِ حمل ہے یعنی جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے، وہ نہ تو نکاح کر سکتی ہے، نہ اپنے گھر کو چھوڑ کر ادھر اُدھر جا سکتی ہے، اس کو بھی اس طرح سوگ کرنا چاہیے جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے۔

(۹) زانیہ کی عدت | (۱) اگر کوئی بدچلن عورت جو دوسرے شخص کی زوجہ ہو، زنا کرے اور عورت کو حمل رہ جائے تو اگر اس زانیہ سے اس زانی کا نکاح ہو تو دونوں کی بھی یہ دونوں نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ جب انھوں نے نکاح جیسی اہم چیز کا پاس نہیں کیا اور وہ فعل کیا جس سے نکاح کے بند کرنا چاہیے، تو یہ ان کو جائز ہے جائز کر لینے کی اجازت دے دینا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ ایسے بے پیندے نکاح کی قید کو توڑ سکتے ہیں، وہ عدت کی پروا کب کریں گے، ناحق بدنامی کریں گے، اس لیے ان کو جلد سے جلد گناہ سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ عدت کی قید ان سے ہٹا کر جلد سے جلد ان کو نکاح میں لا لیا جائے۔

یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس سے شوہر نے زنا کے بعد نکاح کیا ہو۔ اس کو طلاق دے دی ہو۔ اور یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جو خلع کے بعد زنا کی مرتکب ہوئی ہو۔

(۲) ہاں اگر کسی زانیہ حاملہ عورت کا نکاح زانی کے بجائے کسی دوسرے سے

[illegible] شخص سے کبھی ہو سکتا ہے۔ البتہ
[illegible] آدمی دوسرے کی حالت میں مباشرت بھی کر سکتا ہے اور دوسرا آدمی وطیع
[illegible] نہیں کر سکتا، کیونکہ اسلامی شریعت یہ پسند نہیں کرتی کہ
[illegible] ایک آدمی کا نطفہ پڑ چکا ہے، اس میں دوسرے کسی کا بھی مل کے ساتھ
[illegible] عورت کے رحم کا احترام بھی ملحوظ ہے اور یہ بات بھی ہے کہ لڑکے
کا نسب مشتبہ نہ ہونے پائے۔

عدت کی حالت میں نکاح کے پیغام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر کی
[illegible] ہے، اس کو تشدد معلوم ہو چکی ہے، تو اس عورت سے صراحۃً نکاح
کا پیغام دینا حرام ہے۔ البتہ اشارۃً کنایۃً سے نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے۔
[illegible] عورت جس سے طلاق رجعی یا طلاق بائن ملی ہے، اس کو عدت کے اندر
[illegible] نکاح کا پیغام دینا ہے کیونکہ عدت میں پہلے شوہر کو رجعت
کرنے یا نئے مہر پر نئے سرے سے عقد میں واپس لینے کا حق باقی ہے تو جب
[illegible] ہے، دوسرے کو اس کے ختم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے اور
[illegible] پیغام دینے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے درمیان جو ذرا سا رشتہ تعلق باقی
[illegible] ختم کر دیا جائے۔

قرآن میں ہے کہ :-

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا

جن عورتوں کے شوہر مر چکے ہیں ان سے

عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَّلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ

عدت کے اندر اشارۃً کہدو یا نکاح دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے معلوم ہے کہ ان عورتوں کا ذکر تم ضرور کرو گے لیکن خفیہ طور پر نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر ایسی بات کہنے کا وعدہ کرو جو شرع کے موافق ہو اور اس وقت تک ان سے نکاح کرنے کا قصد نہ کرو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے۔

(البقرہ)

قولِ معروف یعنی کوئی بات کہنے سے مطلب یہ ہے کہ عورت کو بتلا دینا کہ میں نے تمہارے لیے نکاح پر اپنا ارادہ ظاہر کر دیا ہے گو یہ نہ کہا جائے کہ تم سے ہم یا فلاں نکاح کرنا چاہتے ہیں یا اس طرح کہا جائے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں مگر ایسی ایسی صفات کی عورت ہونا چاہیے اور وہ صفات اس عورت میں موجود ہوں، غرض یہ کہ صراحت بالکل نہ ہو۔

(۱) اوپر ذکر آچکا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے یعنی اگر کوئی شخص اس کو طلاق دے گا یعنی حیض کی حالت میں طلاق دے گا تو گناہ گار ہوگا جس کی سزا اس کو آخرت میں ملے گی

ب [illegible] جائے تو عدت میں شمار کیے جائیں گے۔

[illegible] عورت کو طلاق رجعی دی اور عدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ شوہر فوت ہو گیا تو عدت وفات کی ابتدا کب سے ہوگی؟ طلاق کی عدت کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن اگر طلاق بائن یا مغلظہ دی تھی اور عدت کے اندر ہی شوہر فوت ہو گیا تو موت کی عدت کا اعتبار ہوگا، بلکہ وہ محض طلاق کی عدت پوری کرے گی۔ یہ مسئلہ رجعی کی صورت میں ہے کہ شوہر رشتہ نکاح بالکل ٹوٹ نہیں گیا اس لیے شوہر کے حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں۔

مسئلہ: یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس عورت کو طلاق مغلظہ یا بائنہ دی ہو اور یہ شوہر اپنے رشتہ نکاح میں لینا چاہتا ہے تو اس کی ایک صورت ہے اور وہ ہے حلالہ۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد عدت گزارنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد وہ دوسرا شوہر اس سے مباشرت بھی کرے اب اگر یہ دوسرا شوہر مرد عورت کے ابتدائی شوہر کو اپنی مرضی سے طلاق دے دے اور وہ ہے حلالہ۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد عدت گزارنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد وہ دوسرا شوہر اس سے مباشرت بھی کرے اب اگر یہ دوسرا شوہر مرد عورت کے ابتدائی شوہر کو اپنی مرضی سے طلاق دے دے اور وہ ہے حلالہ۔

میں بیان کیا گیا ہے :-

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ
مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ
فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ (البقرۃ)

تو پھر عورت اس کے بعد اس کے لیے
تو یہ عورت اس کے بعد اس کے لیے
رہے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے
اس سے نکاح کرے پھر اگر وہ
کو طلاق دے دے تو پھر دونوں

نے طلاق دے دی تو اب ان دونوں کے لیے یہ جائز ہے کہ پھر آپس میں
میاں بیوی بن جائیں بشرطیکہ دونوں کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ اللہ کے
حدود کو قائم رکھیں گے جن کو اللہ نے مقرر کیا ہے۔

اس مقام پر عورت کو دوبارہ نکاح میں لینے کے لیے جو شرائط
لگا دی گئی ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ دوسرے شوہر سے نکاح کیا جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ دوسرا شوہر بھی وطی سے پہلے طلاق دے دے۔

(۳) تیسری شرط یہ لگائی گئی ہے کہ دوسرے شوہر کی طرف سے بھی
کوئی ناجائز شرط نہ ہو جس کی وجہ سے دونوں میں پھر تفریق ہو جائے۔
جس کی وجہ سے دونوں میں
اختلاف پیدا ہو جائے۔ دونوں اختلاف کے نتیجے میں علیحدگی ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مزید باتیں فرمائی ہیں

حلالہ کی شرط لگا کر حلالہ کرنا سخت گناہ ہے

اوپر ذکر آچکا ہے کہ نکاح میں کوئی شرط لگانا حرام ہے چنانچہ حلالے کے سلسلے میں سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ دوسرے شوہر سے اگر متعلقہ عورت نکاح کرے تو وہ خود یا اس کے سرپرست خود نکاح کرنے والے پر شرط نہ لگائے کہ وہ طلاق ضرور ہی دے دے گا بلکہ یہ نکاح اس طرح ہونا چاہیے جس طرح نکاح ہوتا ہے اور اس کے بعد طلاق اپنی مرضی کی بنا پر دینا چاہیے جس کی بنا پر طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے اگر کوئی شخص شرط لگا کر نکاح کرے گا اور پھر حلالے کے لیے طلاق دے دے گا تو اس کو سخت گناہ ہوگا اور مستحق لعنت کا مستحق ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر سخت لعنت کی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح کی بے احتیاطی شروع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جو مرد عورت کو طلاق دینے کی شرط لگا کر حلالے کے لیے نکاح کریں گے میں ان کا نکاح ہونے ہی نہ دوں گا۔

اس سختی برتنے کی وجہ یہ تھی کہ اس سے شوہر کا احترام اور اس کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

پہلے شوہر کے لیے یہ عورت اسی وقت حلال ہو سکتی ہے جب طلاق کے بعد وہ عدت گزار لی ہو اور پھر اس کے بعد دوسرے شوہر سے

بغیر کسی شرعی عذر کے بالغ لڑکے کا نکاح کیا ہو۔

(۳) وہ عورت جس کے شوہر نے پہلے نکاح کے بعد اس سے صحبت اور مباشرت نہ کی ہو اگر شوہر زندہ ہے یا بغیر مباشرت و جماع کیے ہوئے مر گیا تو یہ عورت اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

(۴) وہ عورت جس کی طلاق بدنما عیب کے سبب شوہر نے عدالت سے کرائی ہو اور اس کے بعد پہلے شوہر سے نیا نکاح کیا ہو۔

نوٹ: (۱) شریعت نے جو نسب کے لیے کم سے کم مدت بتائی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے یعنی اگر نکاح کے بعد کتنی مدت کے بعد لڑکا پیدا ہو تو اس کا نسب ثابت سمجھا جائے گا۔ یعنی اس کو اسی شوہر کا بیٹا سمجھا جائے گا جس نے حال ہی میں نکاح کیا ہے یا پہلے کا نکاح کیے ہوئے کتنی مدت گزر گئی ہو۔ اس کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ دو برس تک کا بچہ نکاح کے بعد پیدا ہو تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ چھ مہینے کے بعد پیدا ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل کتابوں میں دیکھ لی جائے۔

[illegible] عورت اور مرد کے درمیان تفریق کا ایک سبب بیان کیا گیا ہے۔
[illegible] عورت پر کسی شخص کے زنا کی تہمت لگانا اور اس کے ذریعہ اس عصمت کو داغدار
[illegible] سخت گناہ ہے لیکن اگر کسی کو اپنی بیوی کے بارے میں زنا کا قوی شبہ ہو،
[illegible] ہوئی ہے اس کے بارے میں یہ شبہ ہو کہ اس کے نطفے سے نہیں ہے تو
[illegible] کہ عورت نے زنا کیا ہے لیکن کوئی گواہی پیش نہیں کرتا، اور عورت
[illegible] انکار کرتی ہے تو ایسی عورت اسلامی حکومت کے سامنے یہ دعویٰ کرے
[illegible] تو حاکم دونوں سے چار چار بار قسمیں کھائے گا اور
[illegible] دونوں سے لعنت کرائے گا اور قسم لینے اور لعنت کرانے کے بعد
[illegible] تفریق کرا دے گا۔ اسی قسم لینے اور لعنت کرانے کو شریعت میں
لعان کہتے ہیں۔

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ چار بار خدا کی قسم کھا کر کہے کہ میں نے جو کچھ
[illegible] ہے اس میں بالکل سچا ہوں۔ پھر پانچویں بار کہے کہ اگر
[illegible] جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے بعد عورت پر
[illegible] اور پانچویں بار کہے کہ
[illegible]

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ
اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ
اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ
الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ
لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ
اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ
بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَ
الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ
عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ؎

لگاتے ہیں اور اس کے اوپر ان کے خاوند
دوسرے گواہ بھی نہیں وہ تہمت لگانے
والی کی شہادت یہی ہے کہ وہ چار بار خدا
کی قسم کھا کر کہہ دے کہ وہ اپنے دعوے
میں سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر
جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت اور اسی
طرح سے عورت کے دامن سے یہ داغ اسی
وقت دھل سکتا ہے کہ وہ بھی چار بار خدا
کی قسم کھا کر کہے کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور
پانچویں بار کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب

لعان کے شرائط یہ ہیں :-

(۱) دونوں عاقل بالغ ہوں اور ان کی گواہی معتبر ہو۔ (۲) عورت بری
سے انکار کرتی ہو۔ (۳) تہمت لگانے والا اس کا شوہر ہو اور وہ اس سے پہلے
زنا کی تہمت میں حد قذف پا چکا ہو یا لعان کا مستحق نہ ہو۔ (۴) شوہر نے گواہ نہ
پیش کیے ہوں۔ عورت اس کی تہمت کے سامنے دعوی سے مکر گئی ہو۔ اگر ان میں
سے کوئی بات نہ ہوگی تو لعان نہیں ہوگا۔

ظہار :- یہ ہے کہ کسی اپنی عورت سے جس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے

تشبیہ دیتے ہیں اس کے برابر کہنے کو شریعت میں ظہار کہتے ہیں۔ پہلی
بات سے یہ فرمایا کہ تو جیسے میری ماں کے مثل ہے ویسے ہی یہ تو ان کے مثل ہے
سے یہ ثابت ہوا کہ ظہار کرنے سے عورت بیوی سے نہیں نکل جاتی اور
ظہار کرنے والے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اور اس کفارے کا ذکر اگلی آیت
میں فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

(مجادلہ)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہتے ہیں تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ان کے ذمے ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور اس کفارے کے ذریعہ تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ پھر جو غلام نہ پائے تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنا ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کا کھانا ہے۔

عورت کو محرمات سے تشبیہ دینے کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں
نیت کے بغیر ظہار نہیں ہوتا ہے لیکن عام طور پر جو الفاظ کہے جاتے ہیں ان سے اس
آدمی کو تب ہوگا جب وہ ظہار کی نیت سے وہ لفظ کہے۔ اگر وہ یوں ہی زبان
بک گیا، یا اس نے اجنبی یہ لفظ کہا تو کچھ نہیں ہوا، اور اگر طلاق کی نیت سے
کہے گا تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ مثلاً کسی نے کہا کہ تو میری ماں کے مثل
ہے، یا میری بہن یا پھوپھی کے مثل ہے، تو اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں کہ جس طرح میں
ان کی عزت کرتا ہوں تیری بھی کروں گا، دوسرے یہ کہ اس نے اس لفظ کو یوں ہی
زبان سے نکال دیا، کوئی مقصد نہیں تھا، تیسرے یہ کہ اس نے ان الفاظ سے طلاق
دینا چاہا ہے کہ اب اس سے مباشرت و مجامعت نہ کر سکے گا، تو یہ تینوں
الفاظ کئی مطلب نکل سکتے ہیں ان کے کہنے والے سے دریافت کیا جائے گا کہ
کا مطلب کیا تھا، اگر اس نے پہلے دو مطلب مراد لیے ہیں تو اس کہنے کا گناہ تو ہوگا
مگر کفارہ ظہار کی ادائیگی اور سزا شریعت نے مقرر نہیں کی ہے اور اگر تیسرا مطلب
مراد لیا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر چوتھا مطلب لیا ہے تو ظہار ہوگا
اب جو بات سے بھی وقت مباشرت کر سکتا ہے، جب کہ ظہار کا کفارہ ادا کر دے۔
اگر بغیر کفارہ ادا کیے مباشرت کرے گا، تو سخت گناہ ہوگا۔ نیز عورت کو بھی
چاہیے کہ اپنے حالت میں اس کو اپنے قریب نہ آنے دے۔

عورت ظہار کی حالت میں ہو تو اس سے بات چیت کرنا حرام نہیں ہے اگر

بیوی کو شوہر کے نافرمانی سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

جیسے کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ ظہار کا کفارہ کیا ہے، جو شخص ظہار کرتا ہے، یعنی دو ماہ مسلسل روزے رکھے، اگر ایسا روزہ بھی بیچ میں چھوٹ جائے گا تو پھر سے روزہ شروع کرنا پڑے گا، اگر کوئی روزہ نہیں رکھ سکتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت ایک دن کھانا کھلائے، یا ۶۰ دن تک ہر مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلائے۔ یا صدقہ فطر کی طرح ہر مسکین کو ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت ساٹھ مسکینوں کو دے، یا ایک مسکین کو ۶۰ دن تک دیتا رہے ایک ہی دن ۶۰ مسکین کو سارے دن کا کھانا نہ دینا چاہیے۔

اگر کسی نے اپنی بیوی کے مثل یا اس سے بڑی محرم عورت کو کہا کہ تو میری ماں یا بہن ہے یعنی مثل ماں اور بہن کے اور نیت ظہار کی نہ کی تو ظہار نہیں ہوگا، مگر ایسا کہنا گناہ ہے۔

اگر کسی نے یہ کہا کہ تو میرے لئے ایک سال تک یا چار ماہ تک میری ماں کے برابر ہے تو اگر اس سے پہلے اس سے صحبت کرے تو کفارہ دینا پڑے گا، اور اگر مدت کے بعد اس سے صحبت کرے گا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

مسئلہ جب تک عورت کو طلاق دے کر عورت سے اپنا تعلق نکاح ختم نہ کرے تب تک عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا حرام ہے۔

شریعت نے دی ہے، اور علیحدگی اور تفریق کی وہ صورتیں بیان کی گئی ہیں جو مرد کی جانب سے ہوں، اب وہ صورتیں بیان کی جائیں گی جن میں علیحدگی اور تفریق کا مطالبہ عورت کی جانب سے ہوگا۔

خلع کے لغوی معنی اتار دینے کے ہیں چنانچہ جو شخص اپنے جسم سے کپڑا اتارتا ہے، اس کو عربی میں کہتے ہیں خَلَعَ ثَوْبَہٗ عورت کا خلع یہ ہے کہ وہ کچھ روپیہ پیسہ دے کر یا مہر معاف کر کے شوہر کو راضی کر لے یا اس کی قوامیت کی قید سے نکل جانے کو خلع کہتے ہیں۔

خلع کب کرنا چاہیے قرآن و حدیث میں خلع کی اجازت نہیں دی گئی، کہ اگر عورت کسی خصومت اور تکلیف میں ہو، نہ مرد سے کچھ لینا چاہتی ہو اور نہ مہر معاف کرنا چاہتی ہو، تو پھر وہ کچھ دے دلا کر اس سے اپنا پیچھا چھڑا لے، قرآن کے ساتھ اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اگر ان کا نباہ کیے بنے کوئی عورت کسی وجہ سے مرد کو خوش نہ کر سکے یا قوامیت کی وجہ سے مرد اس پر مجبور کرتا ہے تو وہ بہت بڑا گناہ مول لیتی ہے کیونکہ اس کا اثر معاشرت اور اخلاق پر بہت برا پڑے گا، اور آخرت میں بھی اس کو اس زیادتی کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ آج کل نئی تعلیم کے اثر سے پڑھی لکھی عورتوں میں جو یہ وبا پھیل گئی ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے خلاف خیر نہ زری شکایتیں کر کے اپنی گلو خلاصی کر لیتی ہیں یہ تجدید بہت کرتی ہیں، یہ اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے، عورت کو مرد

کے ظلم سے بچنے اور دونوں کو نظری مساوات دینے کے لیے جو مذکورہ ہدایتیں دی گئی ہیں ان سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو مظلومیت سے بچانے کے لیے کتنی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود کوئی مرد عورت کی تذلیل کرتا ہے، تو ایسی مصیبت زدہ عورت کے لیے اسلامی شریعت کا دامن تنگ نہیں ہے، بلکہ اس نے اس کو تکلیف سے بچانے کے لیے اپنا دامن بہت وسیع کر دیا ہے، اس کی وسعت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ اس نے خلع کی بھی اجازت دی ہے۔ اگر شوہر نپنسی پر راضی نہ ہو تو تفریق کی بعض اور صورتیں بھی اس نے پیدا کی ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

مرد جس طرح مرد کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ طلاق اور تفریق کا اختیار بلکل نبوت کی حالت میں استعمال کرے۔ اسی طرح عورت کو بھی یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یہ قدم اس کو کسی وقت اٹھانا چاہیے جب کہ واقعی اس کی کوئی دینی، خلقی، معاشرتی یا تمدنی ضرورت متاثر ہو رہی ہو، یا اس پر کوئی ناقابل برداشت معاشرتی ظلم جسمانی یا نفسی جذبات کی بنا پر سخت ذہنی کوفت میں ہو۔ اور پھر بھی صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ مزہ چکھنے والی عورتوں کو پسند نہیں کرتا

آپ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ

جس عورت نے بغیر کسی شدید تکلیف یا خاص وجہ کے طلاق مانگی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

آپ نے فرمایا "اَلْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ" جو عورتیں بغیر کسی تکلیف و ضرورت کے خاوند سے خلع چاہتی ہیں وہ حقیقۃً منافق ہیں۔

مختلعات کا لفظ جب مطلق ہے، اس میں کسی کام کو بہ تکلف کرنے کا مفہوم شامل ہوتا ہے، یعنی ایسی عورتیں جن کو واقعی خلع کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ خلع چاہیں گی تو ان کو خاوند چھوڑ دے گا کوئی سبب اور وجہ نہ ہونے کی وجہ سے منافق کہا جائے گا۔

قرآن نے چند نصوص میں خلع کے حدود و شرائط بتا دیے ہیں، جن کی رو سے خلع کی صورتیں پانچ صورتیں بن سکتی ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے ان بیویوں کو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لے لو، مگر یہ کہ دونوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے

کہ بعض حکام کی نافرمانی کو انھوں نے کفر قرار دیا۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عورت کو اس کے بدلے میں کچھ مال دینا چاہئے مہر میں جو مال طے ہوا ہے وہ اسے واپس کر دے یا اس کے بقدر الگ سے شوہر کو دے دے (فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب خلع کا مذکورہ بالا معاملہ پیش ہوا تو آپ نے عورت سے کہا کہ تم اس باغ کو واپس کر دو جو تمہارے شوہر نے تمہیں دیا ہے۔ چنانچہ اس نے واپس کر دیا۔ اس معاملے میں فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر وہ قطعی مرد کا قصور تھا جس سے عاجز آ کر عورت نے خلع کی درخواست کی ہے تو اسے عورت سے خلع کے بدلے میں کچھ لینا جائز نہیں ہے اگر وہ لے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور اگر عورت ہی کی غلطی تھی تب بھی مرد کو اس سے زیادہ نہ لینا چاہیے جتنا اس نے مہر میں یا اس کے بعد دیا ہے۔ اگر لے لیا تو گناہ نہیں ہوگا۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں تو عورت کو خلع لینے میں گناہ نہیں ہوگا اور نہ مرد کو دینے میں گناہ ہوگا۔ اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو مرد کو چاہیے کہ وہ اس سے کچھ نہ لے۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں تو مرد کو چاہیے کہ وہ اس سے کچھ نہ لے۔

اگر مرد راضی نہ ہو تو عورت کو یہ قانونی حق قرآن نے دیا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے سامنے یا ایک صالح جماعت مسلمین کے سامنے دعویٰ کرے خلع

خلع کا حکم

(۱) جب عورت نے مرد سے کہا کہ میں اپنا مہر معاف کرتی ہوں یا اتنا روپیہ آپ کو دیتی ہوں یا آپ کی دی ہوئی فلاں چیز یا فلاں قطعہ فلاں جائداد واپس کرتی ہوں، آپ مجھ سے خلع کر لیجیے، یا میری جان چھوڑ دیجیے۔ تو اگر مرد نے اسی وقت قبول کر لیا تو خلع ہو گیا یعنی عورت کو فوراً ایک طلاق بائن پڑ گئی۔ اب عورت کو وہ رقم دینی پڑے گی جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اور شوہر کو عدت بھر اس عورت پر خرچ دینا پڑے گا اور عدت کے بعد وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

(۲) اگر شوہر نے نہیں دیا ہے مگر اس کے علاوہ کوئی رقم دینے کا وعدہ عورت نے کیا تو وہ رقم اس کو دینی پڑے گی۔ اگر شوہر نے کچھ بھی معاف کر دیا یعنی خلع بغیر کسی معاوضہ کے کیا ہو تو بھی خلع ہو گیا یعنی طلاق بائن پڑ گئی۔ البتہ مہر کے علاوہ کوئی رقم لینی چاہیے۔ ایسا نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے مگر خلع ہو جائے گا۔

(۳) اگر عورت نے کہا کہ میں اتنا روپیہ دوں گی اور مرد نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو خلع ہو گیا۔

عورت کو اتنے روپے دینے پڑیں گے، اگر عورت کا مہر اتنے روپے سے
اس صورت میں مہر کا مطالبہ عورت نہیں کر سکتی، کیونکہ اب وہ خلع
ہو گیا، البتہ اگر مرد نے یہ کہا ہو کہ تم مہر معاف کر دو تو میں تمہیں
چھوڑ دوں گا تو پھر عورت کو کچھ دینا نہ پڑتا، کیونکہ عورت نے مہر معاف کر کے اس شرط
کی شرط پوری کر دی۔

(۵) اگر عورت نشوز سے توبہ کر لے تو خلع ہو جاتا ہے، عدت میں ان نفقہ اور
سکنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی، اگر خلع ہو چکا اور شوہر ان چیزوں کی ذمے دار
نہیں رہے گی۔

(۶) اگر مرد طلاق دینے میں ہی ہر ممکن تاخیر کرے، یا کسی وجہ سے
عورت کے پاس نہ جائے تو عورت خلع پر مجبور کر سکتی ہے، اس صورت میں شوہر
کسی ذمے داری سے نہیں بچتا۔ اگر شوہر نے مہر نہیں دیا ہے تو مہر معاف نہیں ہو

[illegible] خوشی سے اسے منظور کرلے۔

[illegible] اوپر ذکر آچکا ہے کہ اگر دیکھا جائے کہ عورت تو اس صورت میں اگر عورت کے [illegible] تب بھی مرد کو نہ لینا چاہیے، کیونکہ یہ عورت کے اوپر اس کا ظلم ہوگا۔ لیکن اگر عورت کا تشدد بہت، اور بچہ بھی وہ خلع چاہتی ہے تو اس صورت میں بھی مرد کو اس سے فدیہ کچھ نہ لینا چاہیے، جو اس نے مہر میں یا کسی اور طرح سے دی ہے۔

۱۰۔ اگر عورت یا مرد نے خلع نہیں کہا، یعنی یہ الفاظ نہیں کہا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ خلع ہے۔ بلکہ دونوں میں سے کسی نے کچھ مال یا جائداد کے بدلے میں طلاق دیدی۔ تو اگر دونوں راضی ہو گئے، تو ایک طلاق بائن پڑ گئی، خلع میں اور اس میں اتنا فرق ہے کہ مرد نے جتنے روپیہ کے عوض میں طلاق دیئے تھے وہ روپیہ کہاں سے عورت کو دینے پڑیں گے، اور جس طرح خلع میں اس رقم کے لینے کا عورت کا حق ہوتا ہے وہ اس صورت میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ عورت وہ رقم مطالبہ کر سکتی ہے۔ البتہ اگر یہ مال معاف پر طلاق دی تھی تو پھر عورت مطالبہ نہیں کر سکتی۔

تشریح

اس سے شہادت نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں، اور مرد کے ذمہ اس کے

جو فرائض مقرر کیے ہیں اگر ان میں وہ کوتاہی کرتا ہے، یا اس کی ادائیگی کی صلاحیت نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر عورت یہ چاہتی ہے کہ وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرے، تو خلع کے علاوہ دونوں میں علیحدگی کی بعض اور صورتیں بھی ہیں۔ مثال کے طور پر شوہر میں عورت کی جنسی خواہش پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً وہ پیدائشی طور پر نامرد ہے، یا اس نے اپنی قوت فعل کاری کی وجہ سے خود کو خصی کر لیا ہے، یا مقطوع الذکر ہے، یا آلہ جنسی خواہش پوری کرنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے مگر وہ کسی ایسے مرض یا خرابی میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے عورت اس کو پسند نہیں کرتی، مثلاً وہ پاگل ہو گیا ہے، یا اس کو کوڑھ یا برص ہے، یا اس کو کوئی ایسا مرض ہے جو آتشک ہے، یا اس میں کوئی عیب تو نہیں ہے مگر اس سے بیوی کی معاشی یا جنسی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، مثلاً کسی کا شوہر بہت زیادہ بیمار رہتا ہے یا وہ وجود تو رکھتا ہے مگر عضو تناسل کو کھڑا نہیں کر پاتا یا اتنا غریب ہے کہ اس میں ان فرائض کی صلاحیت ہی نہیں ہے جو ان حوالوں میں سے کوئی بھی صورت عورت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو اسلامی حکومت کے قاضی کے پاس درخواست دے کر اپنے لیے علیحدگی حاصل کر لے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو اسلامی حکومت کے قاضی کے پاس درخواست دے کر اپنے لیے علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ عورت کا

یہ ایسے امراض جنسی سے متاثر شدہ کی جا سکتی ہے یا ایسا متعدی مرض ہو مثلاً آتشک سوزاک وغیرہ
جس سے مرد کے اس مرض میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو مرد قاضی کے پاس
اپنے نامرد ہونے یا ایسے مرض کی درخواست دے کر اس سے نکاح فسخ
کرا سکتا ہے۔

مسئلہ اس بیان میں جو عنین اور مجبوب آئیں گے ان کی تشریح
یہ ہے کہ جب ان کا ذکر آئے تو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔
عنین وہ شخص جو عضو تناسل ہونے کے باوجود جماع پر قادر نہ ہو خواہ یہ
عجز پیدائشی ہو یا کسی مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو یا کمزوری کی وجہ سے
پیدا ہوئی ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص ہے جو بعض عورتوں سے جماع کرنے
پر قادر ہو اور بعض سے نہیں تو بھی وہ جماع نہیں کر سکتا۔ ان کے حق
میں وہ عنین سمجھا جائے گا۔
مجبوب وہ شخص ہے کہ عضو تناسل موجود نہ ہو یا اس نے خود کٹوا دیا ہو
خصی خصیتین کے معنی ہیں نر مارنے والا اور شریعت میں اس شخص کو خصی
کہتے ہیں جو قدرت کے باوجود عورت کے پاس نہ جائے اور ضروریات کا خیال
نہ کرتا ہو۔
خنثیٰ وہ شخص ہے جس کا عضو تناسل ہونے کے بعد بالکل لاپتہ ہو گیا ہو نہ اس کی زندگی کا
پتہ ہو نہ موت کا۔ مخنث کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جو گم ہو گئی ہو اور ایسی

بی نہ ہو۔

غیر مفقود الخبر | وہ شوہر جو لاپتہ تو نہ ہو مگر بیوی کے پاس نہ آتا ہو اور اس نے نان نفقے کی خبر لینا ہو۔

جذامی اور برص میں فرق یہ ہے کہ جذام میں آدمی کے جسم کا پٹھہ بالکل خراب ہو جاتا ہے، اور پھٹ جاتا ہے اور برص میں صرف سفید داغ پڑ جاتے ہیں۔

رتق و قرن ایسے امراض ہیں جن کی وجہ سے عورت سے جماع نہ کیا جا سکے۔

ثَرَج فرج یعنی شرمگاہ میں تاری اور بلک امراض جیسے کہ شک، سوزاک وغیرہ ہوں۔

عام طور پر تو عیوب کی بنا پر خیار فسخ و عدم خیار فسخ کا حکم نہ لگنے، غبن اور مجبوب سے فسخ نکاح کے سلسلے میں تو ائمہ اربعہ متفق رہے ہیں لیکن اور چیزوں کے بارے میں ان کے درمیان قدرے اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی رائے یہ ہے کہ اگر جو امراض مذکورہ امراض میں سے کوئی مرض ہے، تو اس کی وجہ سے مرد کو نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہے کیوں کہ جب اس کو طلاق کا اختیار ہے تو اس کو بدرجۂ اولیٰ یہ حق ہے۔ اسی طرح اگر مرد میں کوئی عیب یا مرض مثلاً جنون، جذام یا برص وغیرہ ہو تو ان کی رائے میں عورت کو بھی فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، البتہ اگر مرد نامرد ہے یا اس کے آلۂ تناسل ہی نہیں تو عورت کو فسخ کا حق ہے، مگر امام محمد

مشہور شارح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان امراض میں کسی عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرالے۔ کیونکہ جس طرح کی تکلیف اس کو دکھی مرد کے مجبوب ہونے کی صورت میں تھی اور اس کو فسخ نکاح کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح کی تکلیف ان کو ان امراض کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے تو جب سبب مشترک ہے تو پھر ان صورتوں میں بھی بدون فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے۔ امام محمدؒ کے الفاظ صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق یہ ہیں۔

لَهَا الْخِيَارُ إِذَا رَضِيَتْ لِلْمُجَبَّرِ	ان امراض میں اس کی تکلیف رفع
كَسَبَبِ عِنِّينٍ مَجْبُوبٍ وَالْحَنِثِ	کرنے کے لیے فسخ نکاح کا حق اسی طرح
(ج ۲ ص ۴۰۲)	ہے جس طرح شوہر کے آلہ تناسل نہ ہونے
	یا نامرد ہونے کی صورت میں ہے۔

البتہ مرد کو یہ حق وہ بھی اس لیے نہیں دیتے کہ اس کو ہر وقت طلاق دینے کا اختیار ہے، اور اس میں اس کے لیے کوئی قانونی دقت بھی نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ برص، جنون اور ایسے امراض جو مانع مباشرت ہیں ان میں تفریق کی اجازت نہیں دیتے ہیں، اور بقیہ امراض میں نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عنین، مجبوب، مقطوع، مستحاضہ، مجنون، مجذوم اور برص سے بھی فسخ نکاح کی اجازت دیتے ہیں اور ایسے امراض میں جو متعدی نہ ہوتے ہوں، مثلاً: فالج، سوزاک وغیرہ، یا عورت کی ایسی خرابی ہو جو

مانعِ مباشرت ہو خیارِ فسخ کی اجازت دیتے ہیں۔

اسی طرح امام احمد بھی ان عیوب کی بنا پر خیارِ فسخ کی اجازت اس شرط کے ساتھ دیتے ہیں کہ مرد یا عورت کو نکاح سے پہلے ان کا علم نہ ہو، اگر علم کے باوجود کسی نے نکاح کر لیا ہے، تو فسخ کی اجازت نہیں ہے، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ مطلقاً — چاہے ان کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو — خیارِ فسخ کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔[1]

اوپر ائمہ اربعہ کے مسلک کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کتنی وسعت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دو عورت کے کسی عیب کی بنا پر خیارِ فسخ کی اجازت ہی سرے سے نہیں دیتے کہ وہ چاہے تو علیحدگی کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو مرد کے دو عیب یا دو وجوہ کی بنا پر یہ اختیار دیتے ہیں، ایک عنین ہونا، دوسرے مجبوب ہونا۔ ان کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بعض آثارِ صحابہ کی بنا پر جنون، برص اور جذام کی صورت میں بھی عورت کو فسخ نکاح کی اجازت دیتے ہیں اسی طرح ان کے ہم عصر دوسرے ائمہ حنفیہ نے بھی اپنے اپنے زمانے میں مصلحت و ضرورت کے ماتحت ہمیشہ دوسرے ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے۔

علمائے احناف نے اس مسئلے کے بارے میں جو تنگی پیدا کر لی ہے

---

[1] میزان شعرانی اور رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ۔

کہ یہ مسئلہ بھی فقہ حنفی کا جزء بن گیا ہے۔

ہمی نشر و اشاعت کی بنا پر سابق ریاست بھوپال کے شعبہ تعلیم کی جانب سے
تعلیمی نصاب میں ۱۹۳۱ء میں بحیثیت حقوق زوجین کے داخل کیا گیا۔ اس
کتاب میں حنفی مسلک کی رعایت کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ اور خصوصاً
حنبلی کے مسلک کی روشنی میں خصومت کو فسخ نکاح کے ذریعہ
سے بچانے کے لیے حق تفریق دیا گیا۔

اس ضرورت کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے
مولانا مفتی محمد شفیع دارالعلوم دیوبند کی مدد سے چند رسائل تحریر
فرمائے جن میں فقہ حنفی کے بجائے زوجہ کو ائمہ کے مسلک کے مطابق عورت کو
تفریق کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ رسالے "الحیلۃ الناجزۃ لحلیلۃ
العاجزۃ" و "المختارات فی منبعات التفریق والخیارات المرتوبات" کے
نام سے چھپ گئے ہیں اور پورے ہندوستان میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔

مثل کہنا ہے کہ ضرورت شدید کے وقت عورت کو جنسی و نسائی
کمیت اور ذہنی کوفت سے بچنے کے لیے علمائے متاخرین احناف نے
مسلک مسلک کے تحت تفریق دیے ہیں اور اس پر عمل درآمد ہے۔ اس
مسئلہ کی بنیاد پر مولانا مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفریق نکاح
فسخ کی اجازت دی ہے۔ ان پر تمام علماء کو غور کرنا چاہیے۔ اگر ہندوستان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اب ہم نکاح ثانی، نان نفقہ، حقوق زوجین اور نفقہ کی دوسری کتابوں سے عورت و مرد کے اختیارات کی تفصیل کرتے ہیں۔

خواتین حاملہ ۱۔ اگر خواتین حاملہ کا شوہر فوت ہو جائے، اگر وہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اگر وہ عورت حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

شوہر کی ذمہ داریوں کا ذکر کر دیا جائے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۴۔ متعنّتہ: جو شخص باوجود استطاعت کے بیوی کو نان نفقہ وغیرہ دینے سے
انکار یا اخراجات پورے نہیں کرتا ہے، اس کو شریعت میں متعنّت کہا جاتا ہے
اگر یہ شخص سے اس کی بیوی جدائی چاہتی ہے تو فقہ حنفی میں قاضی کو یہ حق
نہیں ہے، لیکن امام مالک کے بیان میں اس کی عورت یہ ہے کہ جہاں سے کوئی
حکومت موجود ہو، حکومت کے متعنّت کے وارثوں کے پاس، وہاں اس عورت
نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے عورت متعنّت کے شوہر کا حال کہا۔
مسلمانوں کی یہ جماعت کیسی ہونی چاہیے اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

متعنّت کی بیوی گواہوں کے ذریعہ تشدد سے ثابت کرے اور عدالت
یہ ثابت ہونے کے بعد اس کو پہلی بات کا لحاظ کرتا ہوا دیدے۔

اگر یہ ثابت ہو کہ شوہر کی بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا کوئی سبب نہیں ہے
بلکہ اس کی بیوی اس کے ساتھ نافرمانی کرتی ہے تو اس کا کوئی حق نہیں
ہے اور نہ اس کو نان نفقہ دینے سے انکار کرنے کا حق ہے۔

اگر شوہر کی بات ثابت ہو تو اس کی بیوی کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ
رہے یا اس کو چھوڑ دے۔ اگر بیوی اس کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس کو
اس کے گناہ میں مبتلا

نہیں ہے کہ خود عورت دوبارہ کسی سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے، اس کے بعد بھی وہ مسئلہ باقی رہ سکتا ہے۔

۳۔ شوہر کا اغوا ہو جانا: یہ تو وہ صورت تھی جب شوہر موجود ہو اور کسی وجہ سے بیوی کا نان نفقہ نہ دے رہا ہو یا اس کا کوئی حق تلفی کر رہا ہو، اس کے علاوہ ایک صورت یہ ہے کہ شوہر نان نفقہ دینے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو۔ تو جس طرح متعدد سے چھٹکارے کی اسلامی شریعت میں گنجائش موجود ہے، اسی طرح ایسے شوہر سے بھی عورت کو نجات مل سکتی ہے، جو عورت کے دوسرے حقوق تو ادا کرتا ہے لیکن کسی معذوری کی وجہ سے یا ذریعہ آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے عورت کا نفقہ پورا نہیں کر پاتا ہے۔ لیکن جس طرح متعدد کی بیوی کو اپنا یہ حق شدید مجبوری کی حالت میں استعمال کرنا چاہیے، اسی طرح عورت کو بھی جس کی ماہوار آمدنی نہ ہونے کے برابر ہو، اس حق کو فی الفور استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ انتظار کرنا چاہیے کہ شاید شوہر کی حالت بہتر ہو جائے۔ یہ انتظار کی مدت کتنی ہو، اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا انحصار عورت کی مالی حالت پر ہے۔ اگر عورت کے پاس کچھ ذاتی مال ہے یا اس کے رشتہ دار اس کی مدد کر سکتے ہیں تو وہ زیادہ انتظار کر سکتی ہے۔ اگر عورت کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ کسی سے مدد لینا بھی نہیں چاہتی تو وہ کم انتظار کرے گی۔ اس کا انحصار عورت کی ذہنی کیفیت پر ہے۔ اگر عورت کو یہ اندیشہ ہے کہ اس کا شوہر اس کے نان نفقہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑ گیا ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو وہ جلد ہی اس حق کو استعمال کرے گی۔ اگر عورت کو یہ اندیشہ نہیں ہے تو وہ زیادہ انتظار کرے گی۔ اس کا انحصار عورت کی مالی حالت پر ہے۔ اگر عورت کے پاس کچھ ذاتی مال ہے یا اس کے رشتہ دار اس کی مدد کر سکتے ہیں تو وہ زیادہ انتظار کر سکتی ہے۔ اگر عورت کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ کسی سے مدد لینا بھی نہیں چاہتی تو وہ کم انتظار کرے گی۔ اس کا انحصار عورت کی ذہنی کیفیت پر ہے۔ اگر عورت کو یہ اندیشہ ہے کہ اس کا شوہر اس کے نان نفقہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑ گیا ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو وہ جلد ہی اس حق کو استعمال کرے گی۔ اگر عورت کو یہ اندیشہ نہیں ہے تو وہ زیادہ انتظار کرے گی۔

روشنی میں اخلاص کی صورت میں بھی تفریق کی اجازت دینے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ علمائے احناف کو اس پر غور کرنا چاہیے، اور پھر ہم شہرت و تابہ کے مصنف کی رائے نقل کر چکے ہیں کہ وہ اس کی اجازت اس قید کے ساتھ دیتے ہیں کہ بڑی شرائط مالکی قاضی اس کا فیصلہ کر دے۔

لیکن اس سلسلے میں ان باتوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، اور پھر مفتی اعظم صاحب کی اتفاقی رائے کے مسئلے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

(۱) صاحب ہدایہ کی بات قاضی کے سلسلے میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ عورت کے تفریق کا مطالبہ اس وقت کرنا چاہیے جب اس کے شوہر کی کوئی ذمہ داری ادا نہ ہو اور عورت کی حالت یہ بتائے کہ وہ فتنہ پر فتنہ کر رہی ہے۔

(۲) [illegible]

کے لیے وہ ایسا کر رہی ہے۔

[illegible]

ہو جائے گا۔

پھر نسخ نکاح نہیں ہو سکتا۔

یا ابو داؤد وہ صحیح شوہر کے پاس رہے گی، اس کی تفصیل یہ ہے۔

پہلے شوہر کی واپسی کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ کے بعد واپس آئے۔ دوسری یہ کہ خلوت صحیحہ سے پہلے واپس آجائے۔ تو تمام ائمہ کی متفقہ رائے ہے کہ وہ عورت پہلے شوہر کو واپس کر دی جائے گی اور دوسرے شوہر کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ اگر خلوت صحیحہ کے بعد واپس آئے تو اس میں چار امام ائمہ کی رائے مختلف ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرے ہی کے پاس رہے گی۔ پہلے شوہر کا اس کے اوپر کوئی حق نہیں رہا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس صورت میں بھی وہ پہلے شوہر کو واپس کر دی جائے گی۔

ہندوستان کے علمائے احناف جنہوں نے زوجۂ مفقود کے تفقہ پر فتویٰ دیا ہے، لکھتے ہیں کہ مسلک کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ فقہ حنفی کے مطابق ہر حال میں پہلے شوہر کو واپس کرنے کے حق میں ہیں، لیکن یہ فقہ کے خیال میں یہ بات نہ صحیح ہے کہ مسلک کا مسلک آدھا کر دیا جائے اور پھر یہ بات نہ تو کسی فن سے ہے کہ

ک تحفۂ حنفیہ دہلی، ۱۹۳۵ء، ص ۱۰۔

[illegible] یہ مناسب نہیں ہے کہ یہ پابندی نہ لگائی جائے، ورنہ اس عورت سے شادی کے
[illegible] کوئی بھی آدمی تیار نہ ہوگا، اور اگر کوئی تیار ہو بھی گیا تو قرآن و حدیث
[illegible] بہت سے جوانب مدنظر بیان ہوئے ہیں، ہر تین دلیلوں سے ہوں گے اور نہ اس
[illegible] وقت عورت کے وکیل کا پیدا ہونا ہو سکے گا۔ انہی مصالح کی بنا پر حنفیہ
[illegible] نے یہ رائے دی ہے کہ طلاق کے بعد
[illegible] کو بھوپال کے [illegible] فیصلہ کی پشت پر کیا ہے جنہوں نے
[illegible] کہ "اگر شخص مذکور (شوہر) بعد فسخ نکاح و مرد ایام
[illegible] زوجیت کے اس عورت پر دعوی کرے تو اس کی دعوی
قابل سماعت نہ ہوگا۔ ۴

زوجہ مفقود کا تفریق کے بعد اگر دوسرا نکاح پڑھا جائے گا اگر شوہر اول
[illegible] "یا تو زوجہ اول سے رجوع کر سکتا ہے اس کو تجدید نکاح
[illegible] لیکن عدت کے اندر تو آ گیا اگر
[illegible] نہیں آیا تو عورت کو ایسے حق [illegible] اب عورت کو حق ہے

[illegible]

جائے تو پھر تفریق نہیں ہوگی۔

[illegible]

[illegible] کے ذریعے [illegible]

[illegible] تحریر کی [illegible] کے جواب میں [illegible] کے سامنے لکھیں تاکہ [illegible] کے جواب میں غلطی کا امکان نہ رہے۔

۲۔ [illegible] جگہ ہے جہاں پہنچنا دشوار ہو یا [illegible] کے لئے وہاں پہنچنے کا خرچ برداشت نہ کر سکتے ہوں تو پھر [illegible] کی تحقیق [illegible] کو چاہئے کہ [illegible] کی تحقیق کے بغیر [illegible] دے۔

نوٹ: [illegible] کی [illegible] کے بعد [illegible] کرنے کا حق ہوگا۔

[illegible]

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے بعد واپس آئے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آنے کے بعد اس نے عورت کے دعوے کے خلاف یہ بات کیا کہ میں اس کو ہرگز خرچ نہ دیتا تھا۔ یہ میری غلام جائداد سے یہ فائدہ اٹھاتی تھی، تو اس صورت میں عورت کو اس کی بیوی بن کر رہنا ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں کی تو پھر عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔

جس صورت میں شوہر نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کر دی، تو پھر اس عورت سے اگر کسی دوسرے نے نکاح اور مجامعت کر لیا، جب بھی عورت کو پہلے شوہر کے پاس واپس آنا ہوگا، اس صورت میں پہلے شوہر کے پاس آنے میں نہ تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے، اور نہ تجدید مہر کی۔ البتہ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو عورت پر عدت واجب ہے۔ پہلا شوہر عدت کے اندر اس سے مجامعت نہیں کر سکتا، اگر جائز ہے تو عدت کے بعد سے مجامعت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو دوسرے شوہر سے مہر پانے کی جو حق دار ہوگی، اور اگر خلوت نہیں ہوئی ہے، صرف نکاح ہوا ہے، تو اس کی مستحق نہیں ہوگی۔ (امام ثوبت حنفیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص عورت کو جنسی خواہش پوری نہ کر سکتا ہو اس کو نکاح کا

خلیفہ بننے کا طریقہ | (۱) جس خلیفہ پر مغلوب، متعنت اور غائب کے بارے میں یہ گذر چکا ہے کہ عورت علیحدگی کے لیے درخواست دے، اسی طرح خلیفہ کی عورت بھی کسی مسلمان حاکم یا کسی اسلامی جماعت کے پاس علیحدگی کی درخواست دے۔

(۲) جس کے پاس عورت علیحدگی کی درخواست دے، اس کو چاہیے کہ شوہر سے خود پوچھے کہ اس کا عنین صحیح ہے یا نہیں۔ اگر وہ اپنی نامردی کا اقرار کرے تو پھر اس کو ایک سال علاج کرنے کی مہلت دے، اگر اس مدت میں اچھا ہو جائے تو عورت کو علیحدگی کا اختیار باقی نہیں رہے گا اور اگر وہ نامرد ہی رہے تو پھر عورت کو اختیار ہے کہ چاہے تو ایک سال کی مہلت دے دے یا علیحدگی کر دے۔ اگر شوہر اس کا انکار کرے یا نہیں اور اس کے ساتھ کوئی گواہ بھی نہ ہو تو عورت کو یہ حق نہیں کہ علیحدگی کرا لے۔ اگر اس کا دعویٰ صحیح معلوم ہو تو اس عورت کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ یہ تو اس عورت کا حکم ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہو اور اگر وہ عورت شوہر سے الگ ہو کر اپنے گھر میں رہتی ہو اور اس کا شوہر اس کے پاس آتا جاتا ہو اور اس کا دعویٰ صحیح معلوم ہو تو اس عورت کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ یہ تو اس عورت کا حکم ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہو اور اگر وہ عورت شوہر سے الگ ہو کر اپنے گھر میں رہتی ہو اور اس کا شوہر اس کے پاس آتا جاتا ہو اور اس کا دعویٰ صحیح معلوم ہو تو اس عورت کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

علاج کیے۔

اب ایک سال تک ملاپ کے بعد اگر مرد جماع کے قابل نہیں ہے۔ عورت بھی مطمئن ہو گئی تو پھر اب عورت کو اس سے تفریق کا حق نہ ہوگا۔ عورت نے اپنے اطمینان کا اظہار نہیں کیا، بلکہ تفریق کا مطالبہ کیا۔ شوہر نے اقرار کر لیا کہ اب بھی وہ ناکارہ ہے تو دونوں صورتوں میں اگر عورت اس سے علیحدہ ہی ہونا چاہتی ہے، تو شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ طلاق دے دے، ورنہ قاضی تو صاحب معاملہ خود دونوں میں تفریق کر دے۔

زمرد شوہر سے نامرد کی وجہ سے تفریق کرنے کے لیے ان چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) بیوی کو شوہر سے پہلے کبھی حیض نہ آیا ہو، اگر حیض آیا ہو تو پھر اس کو تفریق کا حق نہ ہوگا۔

(۲) شوہر کے آلہ تناسل میں اتنی لمبائی نہ ہو کہ وہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو سکے تو بھی عورت کو تفریق کا حق نہ ہوگا۔

(۳) شوہر کے آلہ تناسل میں اتنی موٹائی نہ ہو کہ وہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو سکے تو بھی عورت کو تفریق کا حق نہ ہوگا۔

(۴) شوہر کے آلہ تناسل میں اتنی لمبائی اور موٹائی ہو کہ وہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو سکے، لیکن اس وقت عورت کو اس سے

کا موقع دیا ہو اور جس طرح عنین کی بیوی کو دعوے کی ضرورت ہے، عنین کی بیوی کو بھی دعوے کی ضرورت ہے، اسی طرح عنین کو بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اسی طرح پاگل کو بھی۔

اگر جنون سے علیحدگی کے لیے مذکورہ بالا شرائط نہ پائے جاتے ہوں تو تفریق نہیں ہو سکتی، لیکن یہ اس صورت میں ہے، جب کہ عورت کے لیے نفقہ کا کوئی انتظام ہو، اگر اس کے لیے اس کے پاگل ہونے کے بعد کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں رہ گیا ہے، تو اس صورت میں اس کو عدم ادائیگی نفقہ کی بنا پر تفریق کا حق حاصل ہوگا، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

امراض خبیثہ یا مانع جماع امراض | اوپر جس طرح عنین مجبوب سے جماع پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو تفریق کرانے کا حق دیا گیا ہے، اسی طرح مفقود، مستحنت، غائب، مفلس اور مجنون سے جماع اور نفقہ دونوں کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو تفریق کا حق دیا گیا ہے، اسی طرح مرد کے وہ امراض جو نفس جماع کو یا جماع نہ ہوں، مگر جماع کی صورت میں ان امراض کے متعدی ہونے کا یا عورت تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہو، ان میں بھی امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما عورت کو یہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ نکاح فسخ کرالے، ان امراض کے بارے میں پوری تفصیل نہیں مل سکی، لیکن المدونہ میں امام مالک سے جذام، شاگرد ابن القاسم، جذام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے بچ

[illegible]

وَاُولٰتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

اور حاملہ عورتوں کی عدت کا اندازہ کیا جائے تو

ہے کہ وہ وضع حمل کر لیں

اس کے لیے کوئی مدت مقرر کی جائے۔

لیکن چونکہ مدت کی تصریح نہیں ہے اس لیے عورت کے حالات اور متعلقہ لوگوں

نے یہ دیکھنا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق مدت مقرر کریں۔

طلاق کی چوتھی قسم ایلاء، ظہار وغیرہ کے سلسلہ میں ذکر کیے گئے ہیں،

ان سب کا ان میں بھی لحاظ ضروری ہے۔

عورت کے امراض: جس طرح مرد کے امراض میں عورت کو تفریق کا حق حاصل ہے

اسی طرح اگر کسی کی بیوی پاگل ہو جائے، یا کوڑھی یا مبرص ہو جائے، یا ایسے امراض

میں مبتلا ہو جو متعدی ہوں یا مانع جماع ہوں تو مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے۔

لیکن جس طرح ان امراض میں مرد کو مہلت دی گئی ہے اسی طرح مرد کو

علاج سے پہلے عورت کو مہلت دینی چاہیے۔ قانونی طور پر تو اس کو طلاق دینے کا

وقت اختیار رہتا ہے مگر اس کو ان صورتوں میں جلدی نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس اختیار

کا استعمال ہوتا ہے تو اس کو بالکل آخری طور پر استعمال کیا جائے۔

نامرد ہونا یا ہیجڑا ہونا: اوپر تشریح کے سلسلہ میں جو نامرد ہونے کی بات کہی گئی ہے اس سے

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ

اللہ تمہیں لغو قسموں پر نہیں پکڑے گا لیکن جن قسموں کو تم نے
(اور) باندھی ہیں ان پر تم سے مواخذہ کرے گا۔

جو لوگ بے مقصد جھوٹ لغو، یا کسی کی حق تلفی کے لیے قسم کھا جاتے ہیں
ان کے بارے میں کہا گیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ

اپنی قسموں میں خدا کے نام کو نشانہ نہ بناؤ کہ تم لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے
ڈرنے اور ایک دوسرے کے درمیان جوڑ
سے باز رہو۔
(بقرہ)

قسم کی شرعی تعریف زبان سے خدا کی ذات یا صفات کا نام لے کر کسی چیز
کے کرنے یا نہ کرنے کا پکا ارادہ کرنے کو شریعت میں یمین یعنی قسم کہتے ہیں۔
کوئی شخص خدا کی ذات و صفات کے علاوہ کسی چیز کا نام لے کر قسم کھاتا ہے
ایسے ہی بلا وجہ اور بے مقصد قسم کھاتا ہے تو یہ شرعی قسم نہ ہوگی۔ عربی میں قسم کو
یمین کہتے ہیں اور قسم کھانے کو حلف کہتے ہیں۔

قسم کی اقسام قسمیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔

۱۔ یمین غموس یعنی جھوٹی قسم۔

۲۔ یمین لغو یعنی بے کار اور بے مقصد قسم

۳۔ یمین منعقدہ یعنی وہ قسم جو شریعت میں معتبر ہے۔

یمین غموس کی تعریف اور اس کا حکم | کسی گزشتہ بات یا واقعے کے بارے

میں جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھا لینا کہ ایسا نہیں ہے اور قسم کھانے والے کا دل بھی جانتا ہو کہ وہ جھوٹی قسم کھا رہا ہے، یمین غموس کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے ایک شخص سے کہا کہ یہ تمہارے سامنے زید کھڑا ہے تو وہ جانتا ہو کہ زید نہیں ہے، بلکہ خالد ہے۔ تو یہ بھی جھوٹی قسم ہوئی، اگرچہ یہ حال کا واقعہ ہے۔

جھوٹی قسم کبھی تو ذاتی فائدے کے لیے کھائی جاتی ہے اور کبھی کسی کا حق دبانے کے لیے کھائی جاتی ہے، یا کچھ لوگ عادۃً جھوٹی قسم کھایا کرتے ہیں۔ بہرحال جھوٹی قسم کھانا شریعت میں گناہ کبیرہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ناحق قتل کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ پھر آخر میں فرمایا:

وَ یَمِیْنُ الْغَمُوْسِ (بخاری) اور جھوٹی قسم بھی گناہ کبیرہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا حق مار بیٹھتا ہے اس پر جنت حرام اور جہنم واجب ہے۔

(فقہی دل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں تھے)

کے خلاف ہو

تیسری قسم یہ ہے کہ تعریف کی جائے اس شخص کی جو کسی واقعہ یا کسی بات کے بارے میں قسم کھاتا ہے بھی اسی قسم ہے۔

اور یہ ہے تعریف فقہا نے کی ہے وہ حضرت عائشہؓ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ ایک دوسری تعریف ذرا لمبی ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر لغو کلام کے دوران بات چیت کے درمیان آدمی جو واللہ اور باللہ وغیرہ کہہ دیتا ہے یہ بھی لغو قسم ہے یہی تعریف امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام محمد سے منسوب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی ایک اور تعریف بھی ہے۔

وہ یہ ہے کہ آدمی بغیر ارادہ کے کلام کرتا ہے اور اس کلام کے ساتھ قسم کھا لیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تین قسمیں ہیں یا تو کسی ماضی کی بات پر جھوٹی قسم کھائے یا تو کسی مستقبل کی بات پر جھوٹی قسم کھائے یا تو بغیر ارادہ کے کلام کرتے ہوئے قسم کھا لے۔

لکھا ہے کہ

ہم سب کہتے ہیں کہ ہاں

اللہ بینا وبینکم لا یواخذنا بما یواخذہ نہیں کرے گا۔

انھوں نے نہایت احتیاط میں "ہم امید کرتے ہیں" کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ خالصۃً لغوی قسم کی کوئی تعریف نہیں کی ہے، انھوں نے اپنے زمانے کے عرف کی تعریف کی ہے، ممکن ہے، اس تعریف کی بنا پر کوئی قسم خدا کے یہاں لغو نہ ہو اور عند اللہ پکڑنا پڑے، اس سے معلوم ہوا کہ بے فائدہ قسم کھانے میں بھی آدمی کو بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔

یمین منعقدہ کی تعریف اور حکم وہ قسم جو آدمی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کھاتا ہے، وہ یمین منعقدہ ہے۔

صحیح قسم کا حکم یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے وہ کام جب نہ کیے گا، یا جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، وہ کرے گا تو اب کفارہ دینا پڑے گا، کفارہ کا ذکر آگے آتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح قسم میں دل کا ارادہ ضروری نہیں ہے، یعنی اگر وہ مستقبل کے بارے میں آدمی کوئی قسم ارادے کے بغیر یا بدل کر کھا جائے، یا زبردستی اس سے قسم کھا جائے، تب بھی وہ قسم صحیح ہوگی اور اس کا کفارہ دینا پڑے گا، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ قسم میں قصد و ارادے کا پایا جانا ضروری ہے، بغیر قصد و ارادے کے جو قسم زبان سے نکل جائے، اس کو لغو کہتے ہیں، اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات مان لی جائے تو پھر لغو قسم کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا، اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے لغو قسم کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کے مطابق قرآن مجید کی آیت لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم میں لغو قسم پر مواخذہ نہ ہونے کا جو اعلان کیا گیا ہے، اس کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا، اس لیے

قرآن نے قسم کھانے میں ہرا ہے کہ بما عقدتم الایمان دوسری جگہ ہے بما کسبت قلوبکم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک دل کا ارادہ اور نیت شامل نہ ہو قسم نہ ہوگی۔ اب اس تعریف سے بغیر ارادہ یا بھول چوک کی یا زبردستی کی قسمیں تو سب خارج ہو گئیں۔ اس تعریف کی تائید حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے۔ بھول چوک اور زبردستی کے کام کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

رفع عن امتی الخطاء	میری امت سے غلطی، بھول چوک اور
والنسیان وما استکرہوا	وہ کام جس کے کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو معاف
علیہ	ہے۔

اوپر ذکر ہوا ہے کہ قسم کھانے کی جائز صورت یہ ہے کہ خدا کی ذات یا صفات کی کسی چیز کی قسم کھا کر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا وعدہ کیا جائے۔ اس تعریف سے یہ بات نکل آتی ہے کہ خدا کی قسم یا خدا کو حاضر ناظر جان کر جو قسم کھائی جاتی ہے وہ قسم نہیں ہوتی۔ مثلاً یوں کہنا کہ خدا کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا یا خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا یا خدا کو حاضر ناظر جان کر یوں کہنا کہ میں یہ کام ضرور کروں گا یا نہیں کروں گا، قسم کی تعریف میں نہیں آتا۔ اسی طرح رحمان کی قسم، خدا کی عزت کی قسم، خدا کی قدرت کی قسم، رب العالمین کی قسم یہ سب قسمیں بھی اس تعریف سے خارج ہیں۔ اور ان کا حکم وہی ہے کہ جو اوپر بیان ہوا ہے۔ تو کفارہ

۱؎ یہ حدیث صحیح ہے۔ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ خود سے۔

[illegible]

کہا کہ میں خدا کی قسم نہ کھاؤں گا، یا میں جاؤں گا، کھاؤں گا، یہ کہتے ہیں
ہو جاؤں گا، یا خدا کی قسم نہ پہنوں گا، تو جب خدا کی قسم کھائے گا، یا پہنے گا
یا نہیں پہنے گا، ایک ماہ کے اندر ہو جائے گا، یا وہ کپڑا پہنے گا، تو اس کی قسم ہو جائے گی
اور چونکہ اس نے خدا کے نام کو بنا دیا اور قسم بنایا اس لیے اس کو کفارہ
دینا ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں آج فلاں جگہ جاؤں گا، آج اس کو کفارہ نہ
پڑے گا، تو اگر نہ گیا تو کفارہ دینا ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ کہا کہ
میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کام نہ کروں گا، تو اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ یہ
کفارہ کی قسم ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قسم قرار دیا ہے۔ اسی طرح
کسی نے قرآن کی قسم کھائی تو قرآن کی قسم کھانا مناسب نہیں ہے لیکن یہ کہ
کلام الٰہی بھی خدا کی ایک صفت ہے اور ذات کا مظہر ہے اس لیے
صحیح قسم قرار دیا گیا ہے۔

[illegible]	خدا کی ذات کے لیے عربی
[illegible]	زبان میں اللہ اور فارسی زبان

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو تو وہ قسم ان کی ہوگی۔ اور اگر زبان ہندی ہے، وہ اس لفظ میں قسم
[illegible] تو قسم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر دنیا کی اور زبانوں میں [illegible]
[illegible] کے لیے مشہور ہوں، ان سے جب قسم کھائی جائے گی، تو
قسم ہو جائے گی۔ ائمہ کے متعدد نے لکھا ہے اگر کوئی شخص فارسی میں کہے کہ

میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

تو یہ قسم ہو جائے گی، اس کا کفارہ دیتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَكَذَا فِي سَائِرِ اللُّغَاتِ — یہی حکم تمام غیر عربی زبانوں کا

اَلْمِنَّةُ الْمَجِيْد (ج ۲ ص ۲۷) ہے۔

فَلَوْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ كَالنَّبِيِّ وَالْكَعْبَةِ — اگر کسی نے فرمایا کہ نبی کی قسم، کعبہ کی

[illegible] دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ — جس نے اللہ کے علاوہ کسی کی

اَشْرَكَ — کھائی تو اس نے شرک کیا۔

[illegible]

کوئی بہانہ خرچ نہ آئے گا۔ روپیہ نہ ہو سا ور بہانہ نہ ہو تو کیا کرے گا

پڑے گا

(۲) کسی نے کہا کہ میں آج فلاں چیز نہ کھاؤں گا، یا فلاں سے نہ بولوں گا

تو اگر بھول کر کھالے یا زبردستی کوئی کھلا دے یا اچانک بغیر ارادہ بول اٹھے تو

بھی قسم ٹوٹ گئی نہ کفارہ دینا ہوگا۔

قسم کا کفارہ: اگر کسی نے اپنی جائز قسم توڑ ڈالی یا غیر شرعی قسم کھائی تو

کفارہ ہے۔ اس کے توڑ ڈالنے کا ارادہ کیا ہو تو ہر صورت میں اس کو کفارہ دینا

پڑے گا۔ قرآن میں قسم کے کفارے کی ترتیب یہ بیان کی گئی ہے جس کو استطاعت

ہو وہ دس محتاجوں کو دونوں وقت کھانا کھلا دے، یا صدقۂ فطر میں جتنا غلہ

آتا ہے اتنا غلہ دس فقیروں کو دے دے یعنی پونے دو سیر گیہوں یا اس کے

تین سیر جو یا اس کی قیمت اگر کھانا کھلانے پر وقت محسوس کرتا ہو تو دس مسکینوں

کو کپڑا پہنا دے، اگر مرد ہو تو کپڑا پہنانے، قمیص پہنا دے کہ اس کا جسم ڈھک

جائے۔ یعنی کرتہ یا پائجامہ یا پائجامہ کے بجائے لنگی۔ اگر عورت کو کپڑا دے

تو اس میں دوپٹہ بھی ہو جس سے سر نہ ڈھک سکے، اتنا دینا واجب ہے۔ زیادہ

دے تو بہتر ہے۔ اگر کسی نے صرف ایک چیز دینی تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(۲) اگر کسی نے کپڑے کی استطاعت نہیں رکھتا یعنی وہ فقیر ہے تو

اس کو یہ اجازت ہے کہ وہ مسلسل تین روزے رکھ لے۔ اگر تین روزے مسلسل

نہ رکھے، بلکہ درمیان میں ناغہ کر دے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا نہ ہوگا، یعنی جس طرح روزے اور ظہار کے کفارے کا حکم ہے اسی طرح اس کا بھی ہے، مگر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسلسل روزہ رکھنے کی قید کو ضروری نہیں سمجھتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ روزے اور ظہار وغیرہ کے سلسلے میں مسلسل یا ناغہ روزہ رکھنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا ہے کہ قرآن و حدیث میں ان کا حکم تسلسل کی قید کے ساتھ ثابت ہے، بلکہ یہاں تسلسل کی قید کے بغیر حکم ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ	جو شخص کفارہ ادا کرنے کی استطاعت
ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ	نہیں رکھتا ہے، وہ تین دن روزے
أَيْمَانِكُمْ (المائدہ)	رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔

[illegible]

[illegible]

رہی ہے اور نہ مستقل معاشی بدحالی کسی کی قسمت میں لکھی ہوئی ہے، بلکہ یہ بات ہر زمانے میں پائی جاتی رہی ہے، وہ تقسیم دولت میں بے انصافی ہے۔ اس بے انصافی کی وجہ سے کسی بھی ملک کی اکثریت کے لیے تو زرائع رزق کی کمی معاش کا سوال خواب نظر آتی ہے اور کچھ لوگ داد عیش دیتے ہیں، وہ رزق خدا کا خوان انعام تو ہر جان دار کے لیے عام ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ	زمین کے ہر جان دار کا رزق خدا
إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود)	کے ذمے ہے۔

یعنی اس نے ایسے ذرائع رزق اور سامان قوت فراہم کر دیے ہیں کہ شخص چل پھر کر اپنی روزی حاصل کر سکتا ہے، لیکن تقسیم دولت میں زیادتی سے انصاف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب لوگ ان حدود و ضوابط کو اچھی طرح جانیں جن پر اس کی صحیح اور منصفانہ تقسیم کا مدار ہے، اسی وجہ سے قرآن میں کا مفصل حکم آیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید کی ہے۔

فَتَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَ	فرائض یعنی تقسیم وراثت کا علم حاصل
عَلِّمُوهَا فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ	کرو اور دوسروں کو سکھاؤ، کیونکہ
وَهُوَ يُنْسَى وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ	یہ نصف علم ہے اور بھلا دیا جائے گا
يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي (ابن ماجہ)	یہی پہلی چیز میری امت سے اٹھا لی
	جائے گی۔[1]

---

[1] اس تشدد کی وجہ شاید یہ بتائی جا سکتی ہے کہ آج مسلمانوں نے اس کتنی غفلت شروع کر دی ہے

آپ نے فرمایا کہ علم تین باتوں کے جاننے کا نام ہے، یا تو آدمی قرآن کی واضح آیات دیکھے یا ثابت شدہ سنتوں کا علم حاصل کرے، یا منصفانہ تقسیم وراثت کا علم رکھتا ہو (ابوداؤد)

وراثت کی تقسیم میں ناانصافی سے بچنے ہی کے لیے آپ نے وصیت پر پابندی لگائی، آپ نے مومنوں کو ہدایت کی کہ نہ تو اپنے ان ورثے کے لیے وصیت نہ کریں جو اس کے ترکے سے حصہ پانے کا استحقاق رکھتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ اپنا یہ حق استعمال کرنا ہی ہے تو غیر وارث کے لیے استعمال کرنا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ تو دوسرا حصہ پا جائیں اور کچھ بالکل محروم رہ جائیں، پھر آپ نے وصیت کرنے پر یہ پابندی بھی عائد کی کہ ایک ثلث یعنی ۱/۳ سے زیادہ مال و جائداد کی وصیت نہ کی جائے تاکہ قریبی لوگوں کا حق بالکل مارا نہ جائے، مقصد یہ ہے کہ تقسیم وراثت میں ضرورت سے زیادہ خیال نہ کیا جائے گا، مگر ضرورت کو حق تلفی کا سبب نہیں بننے دینا چاہیے اس حق تلفی ہی سے بچانے کے لیے کسی باپ کو یہ حق نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنی زندگی میں وراثت سے محروم کر کے عاق کر دے، اگر وہ کرے گا جب بھی بیٹے کو اس کا ترکہ ملے گا، اس کے محروم کرنے سے وہ محروم نہیں ہو سکتا، اس کی نافرمانی اور نالائقی کی وجہ سے اس کے حق سے اس کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت کا خیال کر کے وراثت کے ذریعے تقسیم دولت کا یہ اصول اسلامی شریعت کا بنیادی اصول ہے، اسی بنیاد پر یہ بات ہے کہ عورت کو مرد کا آدھا حصہ ملتا ہے، ایسا

کفن (۱) مُردے کو کفن اپنی حیثیت کا دینا چاہیے جس حیثیت کا آدمی اپنی زندگی میں عام طور پہ استعمال کرتا تھا، بہت کم قیمت کفن دینا بھی اچھا نہیں ہے، مگر اس کی حیثیت سے زیادہ بہت بیش قیمت کفن دینا تو اسراف ہے۔

قبر (۲) ہر حال میں کچی قبر بنانی چاہیے، چاہے مرنے والا غریب ہو یا مالدار۔ اس کی کھدائی ہاتھ پیر تک سے لینا چاہیے، اگر قبر کی زمین خریدنے کی نوبت پیش آجائے، تو اس کی قیمت بھی ترکے سے لی جا سکتی ہے مگر عام حالت میں اس سے زیادہ اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

ترکے کے تختوں کی قیمت بھی ترکے سے لینی چاہیے۔ اگر کہیں ضرورت نہ ہو نہلانے والوں اور قبر تک پہنچانے والوں کی مزدوری بھی ترکے سے دی جا سکتی ہے

ضروری ہدایت غرض یہ کہ تجہیز و تکفین کے سلسلے میں دو باتوں کا خیال ضرور رکھنا چاہیے، ایک یہ کہ حتی الامکان تجہیز و تکفین کا خرچ مردے ہی کے ترکے سے لیا جائے، اگر ورثہ، عزیز و اقارب اپنی خوشی سے اس کا خرچ برداشت کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں فضول خرچی بالکل نہ ہو ورنہ دوہرا گناہ ہوگا، ایک میت ہونے کی مخالفت کا دوسرے ورثے کی حق تلفی کا کیونکہ ترکہ ورثہ کا حق ہے۔

(۳) مرد کا ترکہ اس کے ورثہ کا حق ہے۔ اس لیے اس کی تجہیز و تکفین میں جب تک ضروری خرچ کی جائے گی تب ہی ان کی حق تلفی ہوگی، شریعت میں اس کی

حصہ ہے کہ اگر خود مرنے والا یعنی مورث اس سے زیادہ تبرع کرنے کی وصیت

نہ کرجائے، جب بھی نکالا جائے گا۔

ورثہ کی فضول خرچی | (۴) اگر خود ورثہ بھی ترکہ میں فضول خرچی کریں تو

ان کے لیے بھی یہ کام جائز نہیں ہے، اگر وہ ایسا کریں گے تو حکام حکومت ان

سے روک تھام کرسکتی ہے۔

(۵) مرنے والے کے تین کفن دفن اور غسل کے لیے جو اخراجات ضروری

ہوں وہ بھی ترکہ سے نکالے جائیں گے۔ ہاں یہ اخراجات ایسے ہونے چاہئیں

جو نہ تو بہت زیادہ ہوں اور نہ بہت کم۔ ان کا اندازہ میت کے خاندان کی

حیثیت کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ اگر میت نے ایسا کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں

ہے، لیکن ورثہ کو چاہیے کہ وہ اس کام کو سادگی سے انجام دیں۔

(۶) اگر میت نے کوئی قرض لیا ہوا ہو تو اس کی ادائیگی بھی ترکہ سے

کی جائے گی۔ اگر ترکہ میں کوئی جائداد نہ ہو تو ورثہ پر اس کی ادائیگی

کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر بالغ ورثہ دیں گے تو ان کا احسان ہوگا۔ ان پر

واجب نہیں ہے۔

(۷) میت کے ذمہ جو نماز روزہ کے فدیے واجب ہوں، ان کے لیے اگر میت نے

وصیت کی ہو تو ایک تہائی مال سے ادا کیے جائیں گے۔ ورثہ پر ان کی ادائیگی

واجب نہیں ہے۔

(۸) میت کے ذمہ حج واجب ہو، زکوٰۃ واجب ہو، کسی کے حقوق ہوں تو ان

بھی اس کو اختیار ہے، مگر قانونی طور پر اس کی ادائیگی وارثوں کے ذمہ نہیں ہے البتہ اخلاقاً ان کا فرض ہے کہ اگر وہ صاحب حیثیت ہیں تو ادا کر دیں، اگر نہ ادا کریں تو میت پر زیادہ سے زیادہ یہی پلتے، یہاں اسلامی حکومت ہوگی، وہاں اس کی ادائیگی کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی، اور پر اس کا ذکر آچکا ہے۔

(۳) یہ تو اس صورت کا حکم تھا جب قرض ایک ہی طرح کا ہو، اور قرض خواہ بھی ایک ہو، لیکن اگر قرض تو ایک ہی طرح کا ہو مگر قرض خواہ کئی ہوں، مثلاً کسی پر پچھتر ہزار روپے قرض ہیں، ان میں سے پچاس ہزار روپے تو ایک شخص کے ہیں، اور پچیس ہزار روپے دوسرے شخص کے ہیں، اور مرنے والے کی چھوڑی ہوئی جائیداد صرف پچاس ہزار روپے کی ہے، تو ایسی صورت میں ہر قرض خواہ کو اس کے قرض کا نصف حصہ ملے گا، یعنی پچاس ہزار روپے والے کو پچیس ہزار روپے، اور پچیس ہزار روپے والے کو بارہ ہزار پانچ سو روپے ملیں گے۔

(۴) اگر کسی شخص پر دو مختلف طرح کا قرض ہے اور ترکہ کافی نہیں ہے، مثلاً پہلے تو قرض تھا بیع کا، جس کی قیمت ادا کرنے کی تاریخ آچکی ہے، اور اس کے بعد اس نے کچھ مال قرض لیا، تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، اخلاقاً وہ دونوں قرض ایک ہی درجہ کے ہیں، اور ترکہ میں سے ہر قرض خواہ کو اپنے قرضے کی مقدار کے اعتبار سے پائیں گے، نہ پہلے کی صورت میں قرض خواہ کو قرض کی ادائیگی پر ترجیح دی جا سکتی ہے، اخلاقاً وہ دونوں ہی قرض ایک ہی درجہ کے ہیں،

ثواب ہوگا۔

۱۔ بیوی کا مہر بھی بیٹے پر قرض ہے، اس لیے اگر بیوی شوہر اس کو، والد کے بعد
بیٹے سے اپنے مہر کا مطالبہ کرے تو بیٹے کو ادا کرنا چاہیے۔ تجہیز و تکفین کے بعد جس
طرح میت کے قرض خواہوں کا قرض ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح بیوی کا مہر
بھی ضروری ہے۔ اس کی ادائیگی کے بغیر ورثہ کے درمیان جائداد یا مال
تقسیم نہیں کر سکتے۔ یہ قرض بھی اسی قسم کا قرض ہوا، یعنی زندہ قرض ہو
کہ مرنے والے کی حالت میں لیا ہو اور رقم بھی اس کی حیات میں اس کا قرار کیا ہو۔

۲۔ نماز کا قرض ہے! اگر مرنے والے کی کوئی نماز قضا ہوئی ہو تو اس کا
فدیہ ادا کرنا ورثہ پر واجب نہیں، لیکن اگر میت نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو
ایک تہائی مال سے اس کی ادائیگی کے بعد ورثہ کو جائداد یا مال تقسیم ہوگا۔

۳۔ روزہ کا فدیہ! اسی طرح اگر کسی کے ذمہ رمضان کے روزوں کا قرض ہو، اور مرنے والے
نے اس کا فدیہ ادا نہ کیا ہو تو اگر مرنے والے کے ذمہ کافی مال ہو تو بہتر یہ ہے کہ
ورثہ اس کا فدیہ ادا کر دیں، اور اگر مرنے والے نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو
ایک تہائی مال سے اس کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ورثہ کو
جائداد یا مال تقسیم ہوگا۔

۴۔ حج کا فدیہ! اسی طرح اگر کسی کے ذمہ حج فرض تھا، اور مرنے والے
نے حج ادا نہ کیا ہو تو اگر مرنے والے کے ذمہ کافی مال ہو تو بہتر یہ ہے کہ
ورثہ اس کا فدیہ ادا کر دیں، اور اگر مرنے والے نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو
ایک تہائی مال سے اس کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ورثہ کو
جائداد یا مال تقسیم ہوگا۔

۵۔ قربانی کا فدیہ! اسی طرح اگر کسی کے ذمہ قربانی واجب تھی، اور مرنے والے
نے قربانی نہ کی ہو تو اگر مرنے والے کے ذمہ کافی مال ہو تو بہتر یہ ہے کہ
ورثہ اس کا فدیہ ادا کر دیں، اور اگر مرنے والے نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو
ایک تہائی مال سے اس کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ورثہ کو
جائداد یا مال تقسیم ہوگا۔

کے مقابلے میں دو تہائی زیادہ ہیں۔ اگر یہ نہ پائی جائیں گی تو ادائیگی واجب نہ ہوگی۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مرنے والے نے اس فدیہ یا کفارے کے ادا کرنے کی خود وصیت کر دی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچ رہے۔ اس میں سے صرف ۱/۳ کے اندر وہ کفارہ یا فدیہ ادا کیا جائے۔ اگر فدیہ یا کفارے کی مقدار ۱/۳ سے زیادہ ہو تو پھر ورثہ کی مرضی پر ہے کہ ادا کریں یا نہ کریں، مگر ۱/۳ کے اندر جتنا کفارہ یا فدیہ ہے، اگر وہ وصیت کر دیتا ہے تو اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

(۳) وصیت: وصیت کے لفظی معنی جانشین بنانے اور تاکید کرنے کے ہیں۔ دراثت میں بھی وصیت کے دو معنی ہیں، ایک تو کسی کو اپنی زندگی ہی میں مرنے کے بعد کسی کام کے کرنے کی ذمے داری سونپنا جس کو یہ ذمے دی جائے گی وہ مرنے والے کا وصی کہلائے گا، دوسرے کسی غیر وارث کو اپنے جائداد کے ۱/۳ سے کم پانے کی ہدایت و تاکید کر جانا، یہاں پر دوسری قسم کی وصیت کا ذکر کیا جائے گا۔ پہلی قسم کی وصیت کا بیان معاملات کے سلسلے میں کیا جائے گا۔

ابتدائے اسلام میں وصیت فرض تھی: جائیداد میں وراثت ان ہی مردوں کو ملتی تھی جو جوان بھی ہوں اور جنگ میں جانے کے قابل بھی ہوں۔ بوڑھے مردوں، عورتوں، بچوں، یتیموں، بیواؤں کو ترکے میں سے کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ ابتدائے اسلام میں جب تک کہ ایک اسلامی حکومت نہیں قائم ہو گئی، اس وقت تک یہ

[illegible] گیا کیونکہ یہ حکم بھی وقت زیادہ [illegible] تھا جب
یہ ثابت نہ تھا کہ ان کے نفاذ کے لیے موجودہ [illegible] اور وصیت کے متعلق یہ
حکم دیا گیا کہ وہ اپنے والدین
اور اپنے عزیز و اقارب کو اپنے مال و جائداد سے کچھ دینے کی
وصیت کر جایا کریں۔ یہ جوان اور قریبی عزیز و اقارب ان بے سہارا لوگوں پر ظلم
اور زیادتی کی حد تک نہ کر سکیں۔ قرآن نے اس حکم کو بہت پُرزور انداز میں ذکر
کیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ	جب موت کا وقت قریب ہو جائے تو
أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ	تمہارے اوپر یہ فرض کیا گیا ہے اگر تم نے
خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ	کچھ مال چھوڑا ہے تو اپنے والدین اور
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا	اقارب کے لیے معقول طریقے پر وصیت
عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ (البقرہ)	کرنا ذمہ داری ہے خدا سے ڈرنے

والوں پر۔

یہ حکم جب لوگوں کے دلوں میں اسلام کی تعلیمات بیٹھ گئی اور ایک حکم
ان کے وجود میں آ گئی۔ تو سنہ ۸ھ کے درمیان میراث کی تقسیم کا مفصل حکم

وفات کا وقت قریب آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی وصیت نہ کرے بلکہ بعید
سے بعید تر وقت میں بھی وصیت کرنی چاہیے۔

نازل ہوا، اور وصیت کی تشریح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد بند کر دیا گیا، یعنی اب وصیت فرض نہیں مستحب قرار پائی۔ اور وصیت
کے لیے یہ حد مقرر کر دی گئی ہے کہ مرنے والا اپنی جائداد کے ایک تہائی
حصہ تک وصیت کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، اب اس سے ایک طرف تو
ایک بڑا حصہ بچ گیا، اور دوسری طرف ہر شخص کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ اگر اس
کے پاس کوئی بڑی جائداد ہے تو وہ اپنے ان کو کسی کارِ خیر میں لگا کر
کسی دوست کی کوئی خدمت کر کے یا کسی کے ساتھ کوئی سلوک کر کے
اس کے عوض وہ قرابت دار جن کو کسی وجہ سے وراثت میں حصہ نہ پہنچتا ہو
یا حصہ نہ پا سکتے ہوں، مگر وہ ان کی ضرورت سے بھرے نہ ہوں اور نہ وہ آسودہ حال
کہے جا سکتے ہوں اپنے یا اہل و عیال کے لیے مزید کوئی ذریعۂ معاش پیدا کر سکتے ہوں، مثلاً
مرنے والے کے غریب یا بوڑھے ماں باپ، بیوہ عورت یا یتیم بچے ہوں، ایسے لوگوں کی
کچھ نہ کچھ مدد مرنے والا کرنا چاہے تو وصیت کے ذریعے کر جا سکتا ہے اور یہ
ضرورتوں میں تو ایسا کرنا اخلاقاً ضروری ہے۔

وصیت کے شرائط وصیت کے سلسلے میں شریعت نے چند ایسی شرطیں لگائی ہیں
جن کا لحاظ کیا جائے تو نہ تو ورثہ پر کوئی ظلم ہو سکتا ہے اور نہ کسی
سے زیادہ تر ایک ہی یا چند آدمیوں کے پاس دولت جمع ہو سکتی ہے اور نہ کسی
حق دار کا حق مارا جا سکتا ہے، جس وصیت میں یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی وہ

أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ
عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ

بہتر ہے کہ ان کو مال چھوڑ کر جائے
بجائے اس کے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔

(المنتقی بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگ ۱/۳ کے بجائے ۱/۴ کی وصیت کیا کرتے تو زیادہ بہتر تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہائی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔ (منتقی)

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا (موصی) عاقل بالغ ہو۔ مجنون و حواس کی حالت میں وصیت کرے۔ اگر کوئی بچہ یا پاگل وصیت کرے تو اس کی وصیت بے کار ہوگی۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ موصی جس کو وصیت کرے وہ وارث نہ ہو کیونکہ وارث کے حق سے حصہ پائے گا اس کو وصیت دینے کی ضرورت نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى
كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ
لِوَارِثٍ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے پس کسی وارث کے لیے وصیت نہ چاہئے۔

وصیت سے وارث کے حصہ پانے کی صورتیں، وصیت کے ذریعے

جائداد یا روپیہ وغیرہ میں سے کسی رشتے دار کے حصہ پانے کی بہت سی صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ دوسرے ورثہ اس پر راضی ہو جائیں خواہ وہ وصی کی زندگی میں راضی ہو جائیں، یا مرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، البتہ اگر دوسرے ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہے۔ (دار قطنی)

(۲) دوسرے یہ کہ کوئی استحقاق کے اعتبار سے تو وراثت کے پانے کا حق دار تھا، لیکن کسی دوسرے سبب کی وجہ سے وہ محروم ہو گیا ہے، مثلاً دادا کی موجودگی میں کسی کا باپ مر جائے، تو وہ پوتا شرعی اعتبار سے محجوب ہو جاتا ہے، یعنی اس کو دادا کے ترکے سے حصہ نہیں ملے گا، لیکن اگر دادا وصیت کر جائے تو اس کو حصہ دے دے، یا کسی محروم وارث کو وصیت کر جانا بڑا کارِ ثواب ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

(۳) وارث کے حق میں اس طرح تباہی لانے والی وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص ناجائز کردہ حصہ سے کام کرنے کی وصیت کر جائے، تو وہ وصیت نافذ نہیں کی جائے گی۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے شیخ فلاں زندہ جلائے، میری قبر پختہ بنائی جائے، یا میری قبر پر روزانہ ایک حافظ آکر قرآن پڑھے، تو اس کا خرچ دیا جائے، یا خیرات وغیرہ کے کام میں اتنا روپیہ صرف کیا جائے، تو یہ وصیت نافذ نہیں کی جائیں گی، کیونکہ ان چیزوں کو کوئی پیغمبر بھی شریعت کی

رد سے صحیح نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ جو چیزیں شریعت میں ناجائز یا مکروہ ہیں، اگر ان کی وصیت کی جائے، تو وہ پوری نہیں کی جائے گی۔

(۳) اگر قرض ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے تو وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

(۴) کسی نے وصیت کی کہ مجھے میرے مکان میں دفن کرنا، لیکن ورثاء نے باوجود اس کے کہ مجھے صحت اور تندرستی میں کفن دینا، تو اس کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو عام قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اور تین کفن دیئے جائیں گے۔

(۵) اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ فلاں شخص میرا قرضہ فلاں جگہ سے ادا کیا جائے، تو ان وصیتوں کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر ورثاء نے ادا نہ ہونے پر ادا کر دیئے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔

جائز وصیتیں اگر کوئی شخص جائز کاموں کی وصیت کر جائے، تو وہ پوری کی جائے گی، مثلاً:-

(۱) کسی پر آج قرض تھا اور اس نے اس کے لیے روپیہ بھی جمع کیا تھا مگر اس سے پہلے انتقال ہو گیا۔ ورثاء انتقال کے وقت اس نے جو ہمیں کی وصیت کی تو اس کی یہ وصیت پوری کی جائے گی، لیکن ایک ثلث سے زیادہ مال ورثاء کی اجازت کے بغیر اس وصیت کے پورا کرنے میں خرچ نہیں کیا جائے گا، اگر ثلث کے وطن سے جانے والا مال سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو جا سکتا ہے

[illegible] ہے کہ اس کی وصیت کی پوری تعمیل [illegible] ایسے
[illegible] سے زیادہ مال ہی خرچ نہ ہو۔

۲۔ اگر کسی نے کوئی چیز نہ دینے یا خلاصہ قرار کرنے کی وصیت کی ہے
تو اس چیز کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے اور چیز کا دینا یا اتنا خلاصہ ہی
دینا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ میرے فلاں دوست یا فلاں غریب رشتہ دار
کو اتنا روپیہ دیا جائے تو یہ وصیت جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کے ایک ہی تہائی
سے اس کی وصیت پوری ہو جائے۔ ورنہ وارث کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

۴۔ مرنے والے کی آخری "قل" یا "اعمال" پر خرچ کرنے کی وصیت جس طرح
جائز ہے کہ اگر کسی نے ایسی وصیت نہ کی ہو تو ورثاء کا اس طرح خرچ کرنا بھی
جائز ہے۔ بشرطیکہ ترکہ کی تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ اور اگر کسی وارث نے
اس وصیت میں نافذ ہونے سے پہلے اس کے درست کو نہ ٹالا۔ بلکہ
اس سے سکوت کر لیا تو یہ وصیت جائز ہے۔ بشرطیکہ ترکہ کا ثلث ہو۔ اگر
کسی وارث نے اس وصیت کو نافذ ہونے سے پہلے ٹال دیا تو پھر اس کی
اجازت نہیں ہوگی۔ قرآن میں وصیت کی تعمیل کا حکم بیان کرتے ہوئے کہا گیا۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي	ہر شرعی تقسیم میت کی ہوئی وصیت
بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ	اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہی جائے گی

(نساء)

یہ وصیت اور قرض ورثہ کو نقصان پہنچانے والے نہ ہو

اس کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان پر
غور کیجیے آپ نے فرمایا کہ کتنے مرد و عورت ایسے ہوتے ہیں کہ ساٹھ برس تک تو
پورے حکم خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں اور جب موت کا وقت قریب آتا ہے
وہ اپنی وصیت کے ذریعے (ورثہ کو) نقصان پہنچا جاتے ہیں (یا ستحقین کو وصیت
نہیں کرتے) جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔ (ابوداؤد)

ورثہ کی حق تلفی اور نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی ثلث مال سے زیادہ وصیت کرے گا، تو اس کے بارے میں
یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ورثہ کی حق تلفی کے لیے ایسا کیا ہے۔ اگر یہ وصیت
نہیں کی جائے گی اور اس کو حق سے زیادہ وصیت کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا۔

(۲) مرنے والے کے ذمہ کسی کا کوئی قرض یا کسی کی امانت نہ رہتی ہو
لیکن ورثہ کو نقصان پہنچانے کے لیے وہ یہ اقرار کر گیا ہو کہ میرے ذمے فلاں
اتنا قرض یا فلاں کی امانت ہے، تو اگر اس کا غلط اور جھوٹ ہونا ثابت ہو جائے
تو یہ وصیت اور ثلث مال میں پوری ہو جاتی ہو تو پوری تو کی جائے گی مگر یہ بات
کہنے والے کو سخت گناہ ہوگا۔

(۳) اس کا قرض کسی دوسرے کے ذمہ تھا یا اس کی امانت کسی کے پاس
رکھی ہوئی تھی اور ان کا علم سب کو تھا مگر وہ جھوٹ یہ کہے کہ میں یہ قرض یا
امانت پا چکا ہوں تو کہ اس کا اقرار قانوناً تسلیم کر لیا جائے گا کہ وہ سخت گناہ

وصیت سے رجوع کر لینا | جب تک کوئی شخص زندہ ہے، اس کو اپنی وصیت سے رجوع کر لینے کا حق ہے۔ مثلاً کسی نے ایک مکان کسی کو دینے کی وصیت کی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اس نے کہا کہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں، یا اپنی وصیت نہ چلنا بدلا، تو اس کو اس کا حق ہے، اگر اس نے زبان سے نہیں کہا مگر اس نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے تو بھی وصیت کالعدم ہو جائے گی، مثلاً ایک زمین وصیت کی، پھر اس میں اپنے لئے مکان بنا لیا، یا اس میں خود کھیتی کرنے لگا، یا جانور وغیرہ کیا اور اس کو فروخت کر دیا تو اس طرز عمل سے اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا۔

وصیت کالعدم ہونا | اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی موت کے بعد اپنے کاموں کی نگرانی کے لیے کسی کو وصی یا ذمہ دار بنا دیا جائے تو جس کو اس نے ذمہ دار بنایا ہے اس کو اصطلاح میں وصی کہتے ہیں جس کو وصی بنا دیا گیا ہے وہ (موصی) وصیت کرنے والے کی زندگی میں تو اس سے انکار کر سکتا ہے، لیکن اگر اس نے موصی کی زندگی میں اس سے انکار نہیں کیا تو پھر اس کی موت کے بعد اس کو اس ذمہ داری سے علیحدہ ہونے کا حق نہیں ہے۔

موصی کی جائیداد اس کی ہوتی ہے، اس لیے اسے موصی کے مال اور جائداد میں حق تصرف کرنا چاہیے جس طرح وہ کہا گیا ہے، جس طرح وہ اپنے مال

جائداد میں کرتا ہے۔

وراثت

وراثت کی اصطلاحی تعریف: ترکہ اور وصیت کی تفصیل کے بعد اب وراثت کی تقسیم کے طریقے اور وراثہ کے حصوں کی تفصیل بیان کیے جائیں گے۔ مگر اس بیان سے پہلے اصطلاحوں کو واضح کر دینا چاہیے۔

مورث: جس نے ترکہ چھوڑا ہے۔

وارث: جو زندہ ہو اور میت سے قرابت یا زوجیت کا رشتہ رکھتا ہو۔ ترکہ پانے والا وارث کہلاتا ہے۔

وراثت: ترکہ پانے والا وارث کی جمع وراث ہے۔

وراثت: ترکہ چھوڑنے والا مورث کی حیثیت اور وراثت اس حیثیت کا نام ہوتا ہے۔

ذوی الفروض: وہ لوگ جن سے میت کا نسبی تعلق ہو اور ان کا حصہ قرآن نے مقرر کر دیا ہو۔ یہ کل دس ہیں۔

عصبہ: جن کا نسبی تعلق میت سے ایسا ہو کہ کسی عورت کے واسطے سے نہ ہو اور ان کا حصہ شریعت نے مقرر نہ کیا ہو بلکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ ان کا ہے، ان میں سب سے مقدم بیٹا ہے۔

ذوی الارحام: وہ رشتے دار جن سے میت کا تعلق کسی عورت کے واسطے سے

[illegible] وغیرہ۔

حقیقی بھائی [illegible] جن کے ماں اور باپ دونوں ایک ہوں، ان کو شریعت میں حقیقی کہتے ہیں۔

سوتیلے بھائی [illegible] کئی طرح کے ہوتے ہیں، ایک اخیافی، دوسرے علاتی۔

اخیافی بھائی [illegible] جن کے باپ تو دونوں ایک ہوں مگر ماں ایک ہو اور دونوں شوہروں سے ہوں اور باپ کی طرف سے اخیافی بھائی بہن کہے جائیں گے۔

علاتی بھائی [illegible] جن کی ماں دونوں میں ایک ہو اور باپ ایک نہ ہو۔

باپ [illegible] جس کے باپ نے نکاح کیا ہو اس سے پیدا ہوا اور باپ کی طرف سے اس کے بھائی بہن ہیں۔

ماں [illegible] جس نے کسی سے نکاح کیا ہو اس سے پیدا ہوا اور ماں کی طرف سے اس کے بھائی بہن ہیں۔

دادا [illegible] جو باپ کا باپ ہو۔

اصول [illegible] باپ دادا پردادا وغیرہ۔

فروع | بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ۔

جو چیزیں ترکے سے محروم کرتی ہیں | اوپر ذکر آچکا ہے کہ دین کی ادائیگی اور وصیت کی تکمیل کے بعد ترکے سے جو کچھ بچ جائے گا، شریعت سے قریب ترین حصے کے مطابق وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا، لیکن بسا اوقات بچے ایسے موانع اور ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے ایک وارث قریب کے مطابق ترکہ پانے سے یا تو بالکل محروم ہو جاتا ہے، یا کم حصہ پاتا ہے۔ جو لوگ عارضی سبب سے بالکل ترکہ نہیں پاتے ان کو محروم اور جو کم پاتے ہیں، ان کو محجوب کہا جاتا ہے، وراثت کی تقسیم کے طریقے اور وارثوں کے حصوں کے تعین سے پہلے ترکے سے محروم و محجوب ہونے کے موانع و اسباب کو بیان کر دینا مناسب ہے۔ ان کا ذکر بار بار آئے گا۔

محروم ہونے کے اسباب | ان اسباب کی بنا پر کوئی وارث اپنے مورث کی وراثت سے بالکل محروم ہو جاتا ہے۔ وہ دو ہیں۔ قتلِ مورث، اختلافِ دین۔

۱۔ قتل | قتل کا مطلب یہ ہے کہ کسی بالغ وارث نے اپنے مورث کو بلا حق قصداً قتل کر ڈالا، تو وہ اب اپنے مورث کے ترکے سے بالکل محروم ہو جائے گا خواہ وہ قتل شدہ وارث بالغ ہو یا نابالغ سے ہو۔ دونوں کا حکم ایک ہے گویا نابالغ کے مقتول کی میراث سے محروم ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ قاتل شعور رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ بالغ ہو، تیسرے یہ کہ قتل عمد کیا ہو۔

کسی نے نابالغ نے اپنے مورث کو قتل کر دیا، تو چونکہ یہ لوگ
نابالغ سے بہت بڑی عمر کے آزاد ہیں، اس لیے ان کے قتل کا اعتبار نہیں
کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر وارث نے ظلم سے قتل نہیں کیا بلکہ مورث اس پر حملہ
کر رہا تھا تو اس نے اپنے بچاؤ کے لیے اس پر حملہ کیا، اور وہ مر گیا، تو اس قتل سے
وہ وارث سے محروم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ قتل ظلم سے نہیں، بلکہ ظلم سے بچاؤ کے
لیے میں واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اگر مورث اسلامی حکومت کی طرف سے قتل یا
پھانسی کی سزا کا حکم ہوا اور اس کے وارث ہی کو حکومت اس کے قتل کرنے یا پھانسی
دینے پر مامور کرے تو اس قتل سے بھی وہ محروم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ قتل ناحق نہیں
بلکہ بحق قتل کے لیے ہوا ہے۔

۲۔ **اختلافِ دین** کوئی مسلمان نہ تو کسی غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اور
نہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان مورث کی وراثت پا سکتا ہے، یعنی دین و مذہب کے
اختلاف کی وجہ سے ان میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔ غیر مسلم ایک دوسرے
کے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں اس کا دارومدار ان کے "پرسنل لا" پر ہے، یعنی اگر
ان کے یہاں یہ جائز ہوگا تو ہوں گے اور نہ ہوگا تو نہ ہوں گے، مگر اسلام کا حکم
یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ مورث، ہی حکم مرتد کا بھی ہے،
یعنی مسلمان کی وراثت سے محروم رہے گا۔

نوٹ: اختلافِ دین کی بعض صورتیں بھی وراثت سے محروم کر دیتی ہیں۔

مگر یہ نادر الوقوع ہیں، اس لیے ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

محجوب ہونے والے وارث محجوب کا لفظی جواب ہے کہ جو پردہ کیے ہوئے ہیں، یعنی ایسے وارث جن کی وراثت میں کوئی دوسرا وارث حائل ہے اور ان لوگوں کا بیان ہوا ہے، جو اپنے کسی خاص شخص کی وجہ سے وراثت سے بالکل محروم کر دیے گئے ہیں۔ اب ان لوگوں کا بیان کیا جاتا ہے جو کسی شخص کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے وارثوں کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے وراثت میں یا تو کم ہو جاتے ہیں یا وہ بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کو محجوب حرمان کہتے ہیں۔

دوسرے وارثوں کا حصہ کبھی کم نہیں ہوتا یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وارث بیٹا اور بیٹی ایسے ہیں، جو نہ تو کسی وارث کی وراثت سے محروم ہوتے اور نہ ان کا حصہ کسی وارث کی وجہ سے کم ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ جتنے ہیں، ان کا حصہ دوسرے وارثوں کی وجہ سے کم بھی ہو سکتا ہے اور وہ محروم بھی ہو سکتے ہیں۔ بیٹے اور بیٹی کی وراثت سے محروم کے جو اسباب ہو سکتے ہیں، جن کا ذکر اوپر ہوا، یعنی قتل اور اختلاف دین۔

حجب نقصان کا بیان جن وارثوں کا حصہ دوسرے وارثوں کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) اگر میت کے وارث یعنی ذوی الفروض میں سے شوہر ہے:۔

بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں۔

۔ عجیب قول کا مسئلہ

کا حال یہ ہے کہ

ساز ناں ہمیشہ کا خود کھا جاتے ۔

از ہے کہ یہ جنت ہوا جب کرتے گا ۔

ہر اسلوک کیا جائے۔ (ابن ماجہ)

نہیں کیا جا سکتا۔

خالکے وہ تم کو ملے گی۔

کی دراہیں نہ ہیں!

یعنی دادی، تاؤ۔

مَا تَرَكَ ۚ إِن كَانَتْ وَٰحِدَةً ۔۔۔ سے گا اکیلی ہو تو نصف ہے:

فَلَهَا النِّصْفُ ۔۔۔ ہو تو چھوڑا وہ آدھا۔

یہاں لڑکے کا حکم بیان کیا ہے اور لڑکے کے بارے میں یہ کہ وہ سب کچھ
کو: دیا جائے گا تو اس سے لڑکی کا حکم معلوم ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے

ہدایت: دو یا لڑکی کے حصے کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے۔ یہ کہ صرف لڑکیوں
لڑکوں کا بھی ہے اور اپنی اور دادی لڑکے لڑکیوں کا بھی ہے۔

(۱) بیٹی اور پوتی کے حصے کا بیان: پانچویں وارث لڑکی یا پوتی
میت کے بیٹے اور لڑکیاں زندہ ہیں اور ایک یا کئی پوتیاں زندہ ہیں
دادا کی میراث کی وہ مستحق ہوں گی۔ پوتی سے مراد صرف لڑکے کی لڑکی
نہیں بلکہ اس کی پوتے کی بیٹی اور پوتی بھی شامل ہیں۔ غرض لڑکے کی
حیثیت میں اور اسی اعتبار سے ان کا حصہ بھی کم ہو کر کبھی زیادہ سے

(۲) اگر میت کے کوئی لڑکا یا لڑکی زندہ نہ ہو بلکہ صرف ایک پوتی ہو تو
بیٹی کی طرح اس کو بھی نصف ترکہ ملے گا اور اگر کوئی دو یا زیادہ پوتیاں
ہیں تو بھی ان کو کل ملے گا۔

(۳) یہ تو ایک پوتی کا حکم تھا۔ اگر میت کے کوئی لڑکا یا لڑکی نہ ہو
اور صرف دو یا دو سے زیادہ پوتیاں زندہ ہوں تو وہ لڑکیوں کی طرح دو تہائی
میں اسی نسبت سے بھی حصہ دار ہو جائیں گی اور آپس میں برابر تقسیم کریں گی۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ
إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ
كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ

اور عورتوں کو تمہارے چھوڑے ہوئے
سے ۱/۴ اس صورت میں کہ تمہارے
اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے اولاد
تو پھر ان کو ۱/۸ حصہ ملتا ہے۔

عدت کے اندر میراث اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور ابھی طلاق کی عدت نہ گذری ہو کہ اس کا انتقال ہو جائے تو بیوی اس کی میراث سے اپنا حصہ پانے کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر عورت نے اپنے کو کچھ زیادت دلا کر خلع یا تفریق کرلی ہو تو پھر وہ عدت میں میراث کی مستحق نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت گذرنے کے بعد تک کا انتظار کیا جائے تو وہ میراث نہ پائے گی۔

(۵) بیٹا یا بھائی: بیٹے یا نرینہ اولاد یا بھائی ہونے سے بھائی بہن کی مال باپ کے چھوڑے ہوئے لڑکے لڑکیوں کی طرح نہیں ہے کہ یہ بھی حصہ پاتے ہیں۔ وہ کبھی محروم نہیں ہوتے بلکہ ان کے حصہ پانے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر میت کے کوئی لڑکا یا لڑکے کا لڑکا یا باپ نہ ہو تو بھائی بہن حصہ پاتے ہیں۔ اگر ان
ہوں تو یہ شریک ہوتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کوئی وارث ہو تو یہ محروم ہو جاتے ہیں
ہوں گے مثلاً ان کے ساتھ باپ یا دادا بھائی چھوڑے ہیں تو ان سے

[illegible]

[illegible] عورتیں [illegible] موجود ہیں اور ان کی موجودگی میں یہ محروم ہو جاتے ہیں،
[illegible] موجود نہ ہو [illegible] اخیافی بھائی ہوں تو پھر اخیافی
بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا ان کے حصہ پانے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اخیافی بھائی صرف ایک ہو تو اس کو صرف چھٹا حصہ ملے گا
قرآن میں ہے۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ	اگر کوئی میت خواہ مرد ہو یا عورت جس
كَلٰلَةً وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ	کی میراث دوسروں کو ملنے والی ہے اور
اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا	جس کے اصول و فروع میں کوئی زندہ نہیں
السُّدُسُ	ہے اور اس کے ایک اخیافی بھائی یا بہن

تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا

(۲) دوسرے یہ کہ دو یا دو سے زیادہ اخیافی بھائی بہن ہوں تو یہ
تہائی میں شریک ہوں ان کو تہائی ملے گا اور یہ آپس میں برابر برابر تقسیم
کریں گے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ	اگر یہ ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک
ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ	تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۔ **تمہید کی اہمیت** | اوپر پہلے ورثہ کا ذکر ہوا ہے اور آئندہ بھی ورثہ کا ذکر ہوگا۔ ان میں ہر جگہ یہ فائدہ نہ کہا گیا کہ بھائی کی بہن ہے۔ لوگ اس سے یہ

یہ فائدہ بھائی بہنوں ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ جب دوسرے کے ساتھ ہوں گے تو بھائی بہن مذکر کا ہوگا۔

۲۔ **بھائی بہن** | مذکر مؤنث، اکیلے، بھائی بہن سے بھائی بہن کے حصہ پانے یا نہ پانے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں یہ

نمبر ۱ سے ۳ تک بھائی بہن کے حصے کی یہ جو شرائط بیان کی گئی ہیں ان کا یہ

بھائی بہنوں کا نام لکھ دیا جائے تو ان کے حصے کی تفصیل بھی ذہن میں

جائے گی۔ قرآن کی آیت کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے بھائی بہن

بہن کا ذکر ہے۔

۳۔ **حقیقی بہن** | اپنی حقیقی بھائی بہنوں کے بعد اب علاتی بھائی بہنوں کا ذکر ہے۔

حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں میں جو فرق ہے اس کی تفصیل بھی ان

بیان کر دی جائے تو اچھا ہے۔ حقیقی اور علاتی بھائی بہن کے

ہے۔ آپ نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حقیقی بھائی بہنوں کی طرح علاتی بھائی بہنوں کا بھی ہر حال میں

(۴) اگر میت نے بہن کے ساتھ ایک یا کئی بھائی چھوڑے ہیں

تو وراثت نہیں، بلکہ بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی، یعنی

دینے کے بعد جو کچھ بچے گا، یہ بھائی بہن آپس میں

اور بہن کو ایک گنا ملے گا، مثلاً میت نے ایک بھائی، ایک بہن

ایک لڑکی چھوڑی تو ان کے تیرکہ کو ۳ حصوں میں تقسیم کیا جائے

تقسیم اس طرح کی جائے گی کہ ۲ والدہ کو اور ۱ لڑکی کو

بچے جس میں ایک بہن کو اور دو بھائی کو۔

مسئلہ میت، کل ترکہ ۳۶ روپے

شوہر	والدہ	لڑکی	بائیں بچے بہن بھائی	ایک بہن کو دو بھائی کو
چوتھائی	چھٹا	آدھا		
۳	۲	۱۸		

ہدایت حقیقی بہن حقیقی بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہو کر کچھ نہ کچھ

کم حصہ پائے گی لیکن اگر حقیقی بھائی زندہ نہ ہوں، بلکہ علاتی بھائی زندہ ہوں

تو پھر وہ حقیقی بہن کی موجودگی میں محروم رہیں گے۔ قرآن میں ہے۔

إِنِ امْرَأٌ هَلَكَ لَيْسَ — اگر کوئی شخص مر جائے جس

لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ — کی اولاد نہ ہو اور اس

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ — کی حقیقی بہن ہو تو

يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ — ہر کل ترکہ سے

تعداد بارہ کے بجائے ۱۳ لکھی گئی ہے۔

ہدایت دادی اور نانی کے مسائل قریب قریب یکساں ہیں اس لیے دونوں کے حصے کی تقسیم ساتھ ساتھ بیان کی جائے گی۔

(۱) دادیوں اور نانیوں کے حصے کی تقسیم اور ان کا حال سب سے مختلف ہے اس لیے اسے غور سے پڑھنا چاہیے۔

(۲) سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دادی ہمیشہ باپ کی ماں نہیں ہوتی بلکہ دادی ماں اور دادی کی ماں بھی ہو سکتی ہے اسی لیے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت حصہ پانے کے لحاظ سے کئی دادیاں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ باپ کی ماں بھی زندہ ہو اور دادا اور دادی کی ماں بھی۔

(۳) دادی کی طرح نانی سے بھی مراد صرف ماں کی ماں ہی نہیں ہوتی بلکہ نانی اور نانا کی نانی کو بھی عربی میں جدہ کہتے ہیں اور یہ سب حصہ پا سکتی ہیں۔

(۴) دادیاں اور نانیاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک جدہ صحیحہ یعنی سچی دادیاں نانیاں دوسرے جدہ فاسدہ یعنی دور کی دادیاں اور نانیاں۔ دور کی دادیاں اور نانیاں جدہ فاسدہ یعنی دور کی دادیوں نانیوں کا شمار ذوی الفروض میں نہیں بلکہ ذوی الارحام میں ہوتا ہے اس کے متعلق کا بیان آگے آئے گا۔

نانیوں میں تو سبھی نانیاں نانیاں ہوتی ہیں کے رشتے میں کوئی مرد نہیں ہوتا

جو میت کی نسل سے ہوں ان میں سب سے مقدم بیٹا ہے پھر پوتا اور جس کے نیچے کے لوگ ان کی موجودگی میں عصبہ کی حیثیت سے وارث نہ ہوں گے، لیکن ذوی الفروض کی حیثیت سے ان کا حصہ ہوتا ہے۔

دوسرے درجے کے عصبات | دوسرے درجے کے عصبات میں وہ ہیں جن کا نسل سے خود میت ہو مثلاً باپ، دادا، پردادا وغیرہ ان کا حق میت کے پہلے درجے کے عصبات کو کچھ نہ ملے گا۔

تیسرے درجے کے عصبات | تیسرے درجے کے عصبات میں وہ ہیں جو میت کے علاوہ ان کے باپ کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے بھائی، بھائی کے بیٹے وغیرہ۔

چوتھے درجے کے عصبات | چوتھے درجے کے عصبات وہ ہیں جو میت کے دادا کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے چچا، چچا کے بیٹے وغیرہ۔

یہ بات بھی یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ترجیح اول درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے، دوسرے درجے کے عصبات کو اور دوسرے درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے تیسرے اور چوتھے درجے کے عصبات کو حصہ نہیں ملے گا۔ ہر درجے کے وارثوں میں کچھ فرق ہے۔ مثلاً اگر پہلے درجے کے عصبات میں کوئی زندہ ہوں، اور دوسرے درجے کے عصبات کوئی زندہ نہ ہوں تو تیسرے کو حصہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح مختلف درجے ہیں۔ مثلاً اگر پہلے درجے کے عصبات میں کوئی زندہ نہ ہو

نہ ہو تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ میّا میت کا سب سے قریبی رشتہ دار ہے اور یہ اس بات کے قریب کی موجودگی میں دور کے لوگوں کو حصّہ نہیں ملے گا، کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو تقسیم وراثت میں کوئی نظم قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی حصوں کی بنا پر حقیقی پوتوں کو بھی محروم ہونا پڑتا ہے، گو اس کی تلافی کے لیے شریعت نے دوسری صورتیں پیدا کی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، البتہ اگر پوتے دادا کے عصبات میں سے ہوں، جیسا کہ سب بڑا بیٹا مرنے کے وقت باپ کے عصبات کا سب سے بڑا ہوتا ہے، مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا کے ساتھ دادا کی موجودگی میں پوتے کو حصہ نہیں ملتا، کیونکہ باپ دادا سے زیادہ میت کا قریبی عصبہ ہے۔ پوتے کے عصبات کے حصہ پانے کی صورت میں اپنے درجے کے عصبات

اس کی تین صورتیں ہیں، ان میں سے ہر ایک کے حصے کی الگ الگ تفصیل ہے، ملاحظہ ہو

بیٹے اور عصبات میں سب سے مقدم میت کے بیٹے ہیں، بیٹوں کی موجودگی میں کوئی عصبہ حصہ نہیں پاسکتا، البتہ میت کی بیٹیاں عصبہ بالغیر ہوجاتی ہیں، بیٹوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، اسی لیے وہ ذوی الفروض میں نہیں ہیں، ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بیٹے اور ان کے ساتھ بیٹیوں کو مل جائے گا، اسی لیے ان کا حصہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی ذوی الفرض وارث نہ ہو تو میت کا پورا ترکہ بیٹے اور بیٹیوں کو مل جائے گا،

[illegible]

ہوتا جائے گا، اگر بیٹی کوئی پیدا ہوئی ہو تو [illegible]

ہو جائے گا، جس [illegible]

ہے کی جو زندہ ہیں [illegible]

ملے گا۔

(۳) اگر ایک کے بجائے بہت سے لڑکے ہوں تو وہ سب برابر حصہ دار ہوں گے۔

(۳۱) اگر لڑکوں کے ساتھ میت کی لڑکیاں بھی ہوں تو [illegible]

لڑکوں کا آدھا ہوگا۔ مثلاً [illegible]

کو یہ حصہ ملے گا، اور [illegible]

اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ لڑکوں کو دیا جائے گا۔ مثلاً

شاہد مورث	کل حصے سات			
لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۱	۱	۱

(۳۲) اوپر ذکر آچکا ہے کہ پوتے چچاؤں کے سامنے محروم ہو جاتے ہیں لیکن یہ

اس حالت میں ہے جب کہ [illegible]

زندہ ہوں تو وہ دادا کے ترکہ میں حصہ پاتے ہیں لیکن اگر [illegible]

سلسلے میں وارد ہوئیں ۔

تو آدھا دے دیا جائے، اور اگر دو بیٹے دو نوں کو آدھے میں سے دعا دی جائے
جائے۔

پوتے کا حصہ | اگر بیٹے کے علاوہ دوسرے عصبات میں سے کوئی بھی نہ ہو
بیٹے کے بعد دوسرا درجہ پوتوں کا ہے، یعنی اگر میت کا کوئی بیٹا نہ ہو
پوتے زندہ ہوں تو دادا کے قائم مقام ہو جائیں گے، یعنی فرض اور
کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ سب پوتے کا ہوگا، اور اگر کوئی فرض نہ ہو
نہ ہو تو کل ترکہ پوتے کو مل جائے گا، اگر ایک کے بجائے کئی پوتے ہوں
ہی باپ کی حیثیت سے ترکہ میں سب آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔

(۲) اگر میت کے پوتے بھی ہوں اور ان کے ساتھ پڑپوتا بھی ہو تو
پوتوں کے ساتھ شامل ہو کر حصہ پائے گا، یعنی جس طرح بیٹے کے ساتھ
حصہ پاتا ہے، اسی طرح پوتے کے ساتھ پوتی حصہ پائے گی۔

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اگر بیٹا زندہ نہ ہو تو پوتا بالکل بیٹے کی
ہوتا ہے، تو ان دونوں میں بیٹے اور پوتے میں فرق ہے۔

(الف) ایک یہ کہ بیٹے کے بیٹیاں کل یا بعض حصہ میں بیٹیاں فرض حصہ
نہیں رہتیں بلکہ بیٹے کی بیٹیاں عصبہ بن جاتی ہیں، لیکن پوتے کی
بیٹے کی بیٹیاں پوتوں کی بہنیں عصبہ نہیں ہوتیں بلکہ وہ فرض کی حالت
ہی رہتی ہیں یعنی اگر ایک بیٹی ہو گی تو آدھا ترکہ وہ پائے گی، بقیہ دوسرے فرض

[illegible] ہیں گے، اور اگر دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں گی تو وہ کل ترکہ کے
[illegible] ہیں گی، اور باقی میں دوسرے ذوی الفروض اور پائیں گے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محروم رہتی ہیں، لیکن
پوتے کے ساتھ پوتیاں عصبہ ہو جاتی ہیں اور جس قدر پوتے کو ملتا ہے اس کا
آدھا پوتیوں کو ملتا ہے۔

ج۔ پوتے کی موجودگی میں پڑپوتے اور پڑپوتیاں محروم رہتی ہیں۔
پوتے جب تک پوتے کے زندہ ہونے کی صورت میں پوتے وارث ہوتے ہیں
تاہم پوتے نہ ہونے کی صورت میں پڑپوتے اسی درجے کے وارث ہوتے ہیں جس کے
ذکر پوتے کے سلسلے میں ہوا۔

نوٹ کے نمبر کے متعلقات: پوتے کے متعلقات میں کوئی ذوی الفروض
نہیں ہے۔ نمبر ۲ کے متعلقات میں ایک ذوی الفروض ہے یعنی اس کی اصل
حیثیت تو ذوی الفروض کی ہے لیکن اگر درجہ اول کے عصبات اور نہ ہوں
تو پوتے کے مرنے کے بعد جو کچھ ترکہ بچ جائے گا وہ
دوسرے درجے کے عصبات نہیں گے۔ دوسرے درجے کے عصبات میں
جد اور پڑپوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی بحث
ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اب یہاں عصبہ کی حیثیت سے ان کو جو
حصہ ملتا ہے اس کی تفصیل ہر ایک کے

نہیں رہیں گی بلکہ علاتی بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی : اور علاتی بھائی حقیقی بھائی کی موجودگی میں محروم رہیں گے۔

(۲) حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی اور علاتی بہنیں محروم رہیں گے۔

علاتی بھائی : اول : دوم درجے کے عصبات میں نہ ہوں : حقیقی بھائی بھی زندہ نہ ہو تو میت کا علاتی بھائی اس کا وارث ہوگا : اگر یہ بھی نہ ہوں تو سب ترکہ تقسیم کر لیں گے۔

(۲) اگر علاتی بھائی کے ساتھ علاتی بہنیں بھی ہوں تو وہ سب اس کے ساتھ عصبہ ہو کر بھائی کا آدھا حصہ لیں گی۔

(۱) اسی طرح حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی اور علاتی بہنیں محروم رہیں گے۔

حقیقی بہنیں : (۱) جب میت کا کوئی حقیقی یا علاتی بھائی موجود نہ ہو تو یہ دوسرے درجے کے عصبات میں سے ہو جائیں گی۔

(۲) اگر حقیقی بہنیں میت کے حقیقی یا علاتی بھائی کے ساتھ نہ ہوں تو یہ بھائی کے ساتھ عصبہ ہو کر ترکہ میں شریک ہو جائیں گی۔

(۳) حقیقی بہنیں بھائی کے ساتھ علاتی بھائی کے لئے کے محروم ہو جائیں گی۔

دوسرے کے متعلقات میں سے حصہ پاتا ہوا، یعنی وارث، وارث نہ دینے سے
جو کچھ بچے گا، وہ چچا کو ملے گا۔ اگر ان دونوں سے کوئی وارث نہ ہو تو
نواسے کا مستحق چچا صاحب ہوں گے، اگر کئی چچا ہوں گے تو جتنا ترکہ کا سب سے
قریب کا رشتہ چچا تقسیم کریں گے

(۳) چچا کی موجودگی میں اس کی بہن یعنی میت کی پھوپھی ترکہ نہ پائے گی۔

(۴) چچا کی ہوتی یعنی میت کی چچی کو چچا ہونے کی وجہ سے اس کی وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، البتہ اگر اس وقت میت کا کوئی وارث نہ ہو تو رشتہ کی وجہ سے وہ میراث پا سکتی ہے

(۵) چچا کی بیٹیاں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں، مگر وارث نہ ہوں تو رد کی وجہ سے وارث ہو جاتی ہیں: ان کا شمار ذوی الارحام میں ہے۔

علاتی چچا: علاتی چچا کے حصہ پانے کی صورتیں بھی وہی ہیں جو حقیقی چچا کے ہیں۔ البتہ حقیقی چچا کی موجودگی میں اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، جیسا کہ حقیقی چچا کی موجودگی میں علاتی چچا کے لڑکے حصہ نہیں پاتے گے جیسا کہ حقیقی چچا کی موجودگی میں علاتی چچا کے لڑکے حصہ نہیں پاتے۔

حقیقی اور علاتی چچا کے لڑکے: (۱) حقیقی اور علاتی چچا کے لڑکے
ہیں، ان کے اپنے اپنے درجہ کے مطابق حصے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو حقیقی چچا کے لڑکوں کو اور نہ ہوں تو علاتی چچا کے لڑکوں کو ترکہ ملے گا، اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر حقیقی چچا کے پوتوں کو

[illegible] ذوی الفروض کے کہ اگر ذوی الارحام کوئی وارث نہ ہوگا، تو مقررہ حصہ
[illegible] بعد بقیہ ترکہ بھی نہ ہونے لیں گے، مگر بیوی اور شوہر کو مقررہ حصے سے زیادہ
نہیں ملتا۔

ذوی الارحام کی اقسام: عصبات کی طرح ذوی الارحام بھی چار قسم کے
ہوتے ہیں۔ اور جب تک پہلی قسم کے ذوی الارحام موجود ہوں گے، دوسری تیسری
درجے کے ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہر ایک قسم کے ذوی الارحام کے حصے
کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

پہلی قسم کے ذوی الارحام: پہلی قسم کے ذوی الارحام میں نواسے نواسیاں
اور ان کی اولاد شامل ہے، مگر ان میں سب سے مقدم نواسے اور پھر نواسیاں
ہیں اس لیے پہلے ان کا بیان کیا جاتا ہے۔

نواسے اور نواسیاں: ذوی الارحام میں سب سے مقدم نواسے اور نواسیاں
ہیں۔ اگر ذوی الفروض اور عصبات میں کوئی زندہ نہ ہو تو میت کے نواسے اور
نواسیاں سارا ترکہ لے لیں گے۔ اگر ایک نواسہ اور نواسی
ہوں تو کل مال تین حصوں میں تقسیم ہوگا اور نواسے کو دو حصے اور نواسی
کو ایک حصہ ملے گا۔

ہدایت: ذوی الفروض کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ ذوی الفروض عن
[illegible] کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور بعد ذوی الفروض یعنی بیوی اور شوہر کی

موجودگی میں بھی ذوی الارحام حصہ پاتے ہیں۔

پوتی کی اولاد: پہلی قسم کے ذوی الارحام تب ذوالفروض کے ذریعے کے بنتے ہیں کی اولاد ہے، یعنی اگر میت کے نواسے یا نواسی نہ ہوں تو پھر میت کے نواسوں سے کسی بھی کے کوئی نواسہ یا نواسی ہو تو وہ میت کے ترکے کا مالک بنتا۔

نواسہ اور نواسہ کی اولاد: اگر اوپر کے دونوں قسم کے ذوی الارحام نہ ہوں تو پھر نواسیوں اور نواسیوں کی اولاد کو حصہ ملے گا، گو پوتی کی اولاد اور نواسہ نواسیوں کی اولاد اپنے رشتے کے اعتبار سے یکساں ہیں لیکن چونکہ یہ شخص بیٹے کی اولاد و متعدد ہے، اس لیے یہاں بھی اولاد کی موجودگی میں نواسے اور نواسوں کی اولاد کو حصہ نہیں ملے گا۔

یہاں بھی تقسیم کا اصول وہی رہے گا، جو پوتی کی اولاد کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے، اگر بفرض محال نواسے اور نواسی کی اولاد بھی نہ ہو تو پھر پوتے کی اولاد اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر پوتی کے پوتے پوتی وغیرہ وارث ہوں گے۔

دوسری قسم کے ذوی الارحام: اوپر ذکر آچکا ہے کہ دوسری قسم کے ذوی الارحام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قریبی، دوسرے دوری۔ یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ قریبی وارث کی موجودگی میں دوری وارث کو کچھ نہیں ملتا۔ دادا، دادی، نانا، نانی تو ذوی الفروض میں شامل ہیں، ان کے حصے کا بیان ہو چکا ہے۔ ذوی الارحام میں داخل ہیں، ان کے حصے کا بیان:

ذکر کیا جاتا ہے۔

[illegible] ذوی الفروض [illegible] ذوی الارحام [illegible]
کے رشتے ہیں تو ورثا کا حصہ کیسے [illegible] ذوی الارحام ہیں
جن کے رشتے میں عورت کا حصہ ہوتا ہے وہ بھی ذوی الارحام میں ہے۔
[illegible] ذوی الارحام تو کبھی صرف ذوی الفروض کی حیثیت سے حصہ پاتے ہیں۔
کبھی عصبہ اور کبھی ذوی الارحام کی حیثیت سے۔ لیکن ماں ہمیشہ ذوی الارحام
کی حیثیت سے کبھی ذوی الفروض، عصبات یا کسی قسم کے ذوی الارحام میں سے کوئی موجود
ہو یا نہ ہو ماں کو کچھ نہ کچھ ملتا ہے گا۔

لیکن مذکورہ بالا ورثا میں سے کوئی نہ ہو تو پھر میت کے تمام ترکے کا
مستحق کیا جائے گا۔ [illegible] ہوگا۔

۳۔ یہاں یہ قاعدہ یاد رکھیے کہ ذوی الفروض سے اور عصبہ
[illegible] ذوی الارحام کا حصہ کم نہیں ہوتا۔ ہاں اور شوہر کی
موجودگی میں [illegible] ذوی الارحام کو حصہ ملے گا۔

(۲) نانا نانی موجود نہ ہوں تو پھر ہر قسم کے ذوی الارحام میں سے جو زندہ ہوں گے

وہ سب محروم ہوں گے۔

(۳) اگر میت کے نانا نانی موجود ہوں تو پھر میت کے باپ کے نانا نانی یعنی پڑ نانا

نانی اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو ان کے نانا اور ان کی دادی ترکہ کی مستحق ہوں گی۔

(۴) اسی طرح اگر ماں، باپ کے نانا، دادا یا دادی وغیرہ زندہ نہ ہوں تو

پھر میت کے دادا کے مرنے کے ذوی الارحام کو حصہ ملے گا۔

تیسرے قسم کے ذوی الارحام (۱) تیسری قسم کے ذوی الارحام میں بہن کی اولاد

اور بھائی کی غیر عصبہ اولاد شامل ہے۔

بہن کی اولاد سے مراد میت کے ہر قسم کے بھانجے بھانجیاں ہیں اور

بھائی کی اولاد غیر عصبہ سے ان سے مراد بھائی کی بیٹی کی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی

وغیرہ ہے۔ ان کی کل تعداد دو ہے جو حقیقی بہن کے لڑکے لڑکیاں علاتی بہن

کے لڑکے لڑکیاں اخیافی بہن کے لڑکے لڑکیاں حقیقی بھائی کی لڑکی علاتی بھائی

کی لڑکی اخیافی بھائی کے لڑکے لڑکی۔

(۲) ان دونوں میں سے کوئی مقدم اور مؤخر نہیں ہے بلکہ اگر یہ سب ایک

درجہ میں ہوں تب بھی ان سب کو ملے گا صرف مرد اور عورت کو فرق ہوگا جیسے

مرد کو جتنا ملے گا عورت کو اس کا آدھا ملے گا۔

(۳) اگر ان دونوں میں سے کوئی موجود ہو اور دوسرا مفقود ہو تو

ہو سے کوئی نہ ہو تو پورا ترکہ اسی ایک آدمی کو مل جائے گا۔

(۴) یہ کہ ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایک ہی بھائی بہن کی اولاد ہوں تو پھر چاہے یہ جتنے ہوں سب کو مساوی حصہ ملیگا، یعنی مردوں کو جتنا ملیگا، اسی کا نصف عورتوں کو ملے گا، مثلاً اگر چار بھانجے بھانجیاں ہوں تو پورا ترکہ ان میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بھائی اور بہن کے ملے جلے لڑکے ہوں تو ان کا حصہ مساوی تقسیم نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر دو بھانجیاں اور دو بھتیجیاں ہوں تو ان کو ترکہ ان کے لحاظ سے نہیں ملے گا، بلکہ ان کے والدین یعنی میت کے بھائی بہن کے لحاظ سے ملیگا، یعنی بھائی کو بہن کے مقابلے میں دوگنا ملتا ہے، اس لیے اب ان کے لڑکوں یعنی میت کی بھتیجیوں کو بھی دوہرا دوگنا ملیگا اور بہن کی لڑکیوں یعنی میت کی بھانجیوں کو ان کا آدھا ملے گا، کیونکہ بہن کا حصہ بھائی سے آدھا ہوتا ہے، مثلاً دو بھتیجیاں اور دو بھانجیاں ہوں تو ترکے کو ۶ حصوں میں تقسیم کریں گے، دو حصے دونوں بھتیجیوں کو دیں گے، اور ایک ایک حصہ بھانجیوں کو، البتہ اگر بھانجیوں کے ساتھ بھانجے بھی ہوں تو ان کو بھانجیوں کا دوہرا ملے گا، اور بھتیجوں سے کم ملے گا

(۵) اگر کوئی بھتیجا زندہ ہو تو بھتیجے کے سامنے تمام بھانجیاں اور بھتیجیاں محروم ہیں گی، کیونکہ بھتیجا عصبہ میں ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الفروض کو کچھ نہیں ملتا۔

بہنیں ہوں۔

۴۔ میت کے آزاد حقیقی بھائی نہ ہوں تو پھر علاتی بھائی کو وراثت ملے گی

۵۔ حقیقی بھائی کو ملتا ہے (۱) شوہر کو جب بیوی کے اولاد نہ ہو۔

(۲) بیوی کو جب میت کے اولاد نہ ہو۔

(۳) ماں کو جب میت کے بیٹے یا بیٹے کی اولاد نہ ہو۔

(۴) باپ کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

(۵) دادا کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

۶۔ علاتی بھائی کو ملتا ہے (۱) شوہر کو جب بیوی کی اولاد نہ ہو۔

(۲) بیوی کو جب شوہر کی اولاد نہ ہو۔

(۳) ماں کو جب میت کے بیٹے یا بیٹے کی اولاد نہ ہو۔

(۴) باپ کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

(۵) دادا کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

۷۔ حقیقی بہن چار طرح وارث ہوتی ہے (۱) باپ کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

(۲) ماں کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

(۳) حقیقی بھائی کو جب تنہا ہو۔

(۴) حقیقی بہن کو جب تنہا ہو۔

۸۔ علاتی بہن چار طرح وارث ہوتی ہے (۱) باپ کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

(۲) ماں کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

(۳) علاتی بھائی کو جب تنہا ہو۔

(۴) علاتی بہن کو جب تنہا ہو۔

غرض ان چھ حصوں کے علاوہ ذوی الفروض کا اور کوئی حصہ نہیں ہے بعض
مرتبہ ذوی الفروض ۱/۵ پا سکتا ہے اور نہ ۱/۲ اور نہ ۱/۴ اور نہ ۱/۸ وغیرہ ہے۔
بلکہ جب دوسرے ذوی الفروض بھی ہوتے تو بعض ذوی الفروض کے
حصے گھٹ بڑھ کر بقیہ حصہ کبھی مل جاتا ہے، مگر وہ بے حساب ہوتا ہے۔ بعض
مرتبہ کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ اسی دوبارہ حصہ ملنے کو ترکیبیں کہتے ہیں۔
کا بیان آگے آتا ہے۔

حصہ کالنے کا طریقہ یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ ورثہ کے حصے
دار کتنے ہیں، ایک ہی طریقہ تمام کے لیے مقرر کیا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں
معلوم نہیں ہوتا کہ میت نے ایک ہی کئی وارث چھوڑے ہیں تو پھر کوئی دقت نہیں ہے۔
ایک فرض کیا جائے کہ میت نے ایک بیٹی یا کئی بیٹیاں چھوڑی ہیں تو بیٹی کا حصہ
بھی نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اگر کئی وارث ہوں مثلاً والدہ بھی ہو یا بہن
بھائی کا حصہ لگانے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ترکہ کے اتنے حصے ہوں
کہ ہر ایک کو پورا حصہ مل جائے۔ مثلاً اگر کسی عورت نے شوہر
اور ماں چھوڑی ہو تو شوہر کو ۱/۲ اور ماں کو ۱/۳ ملنا چاہیے۔ اگر
ان کا حصہ لگائیں تو شوہر کو ۱/۲ اور ماں کو ۱/۳ ملے گا۔ اس طرح
ترکہ کے ۵/۶ حصے ہوئے۔ ۱/۶ حصہ بچ رہا۔ اس لیے شوہر کو نہیں تو میراث سے حصہ ہوئے۔
اس طرح ثابت ہوا کہ حصہ لگانا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے
کہ ترکہ کے اتنے حصے بنائیں کہ کوئی حصہ گھٹنے نہ پائے۔ یعنی آدھا پونا

پائے۔ ایک دو چار وغیرہ کی اکائی باقی رہے۔ اس مسئلے میں یہ ممکن ہے کہ زیادہ پانے والے وارث کا حصہ کچھ کم ہو جائے گا، مگر اس سے کوئی ہرج نہیں ہے۔ مثلاً اوپر کی مثال میں اگر ترکے کو ۴ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، تو بارہ سے اس کو حساب کریں گے۔ کیونکہ ایک عدد صرف بتول کے لیے بڑھا دیا گیا ہے تو اس کو بارہ میں سے ۱ یعنی ۲ حصے شوہر کو، چھ یعنی ۲ حصے والدہ کو، ۱ نصف یعنی ۶ لڑکی کو اور دو حصے پوتی کو مل جائیں گے۔ اب سب کا حصہ لگ گیا۔ ۱ رہتے نہیں، البتہ اتنا ہوا کہ جیسے تو بارہ دیے گئے تھے مگر بعد میں ان کو بتول نے کر دیا، جس سے حساب بالکل ٹھیک ہو گیا۔

قول کا بیان: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ورثہ کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے، یا پھر ان کا حصہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ترکے کو اگر تقسیم کریں تو بعض وارث یا تو محروم رہ جائیں گے، یا ان کو اپنے شرعی حصے سے بہت کم ملے گا، یا پھر ترکے کے حصوں کو توڑنا پڑے گا، اور یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں ہیں، مثلاً عورت میت نے حقیقی بہنیں، دو اخیافی بہنیں اور شوہر چھوڑے تو اب شرعی حصے کے مطابق شوہر کو آدھا ملنا چاہیے، کیونکہ زوجہ نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا ہے اور نہ حقیقی بہنیں ہیں، سہ لہٰذا ان کو دو ثلث ملنا چاہیے، اور حقیقی بہنوں کی موجودگی میں اخیافی بہنیں جب دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ایک ثلث ملنا چاہیے۔ تو اب اگر اخیافی بہنوں کو ۱/۳ اور حقیقی بہنوں کو ۲/۳ دے دیا جائے تو شوہر بالکل محروم ہو جاتا

سہے کیونکہ اس کے بعد کچھ بچتا ہی نہیں یا بچے گا تو بہت کم اور حقیر جو کھونے کے لائق نہ ہوگا

تو دونوں میں سے کسی کا حصہ پورا نہیں کیا جا سکتا اور تقسیم بالکل ناممکن ہوجائے

گی۔ اس دقت کو حل کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ

خسر سے عول کا طریقہ نہ کیا جائے بلکہ جس کا حصہ جتنا بنتا ہے اسی وقت بنتا

ہے تو درست ہے ضرورت کے موقع پر وہاں عول کر لیتے۔

عول کے معنی عول کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں اصطلاح میں ایک عدد نہ ہونے کی

وجہ سے حصہ داروں کے حصوں کی مقدار کو بڑھا دینے کو عول کہتے ہیں اور اس عدد

میں کمی بیشی کا نام عائلہ ہے۔

وَزَادَتِ الْفَرَائِضُ إِذَا
كَثُرَتِ الْفُرُوضُ عَلَى مَخْرَجِهِ
الَّذِي بِهِ تَصِحُّ مِنْ أَصْلِهِ
عَلَى كُلِّ مَنْ يَدْخُلُ فِي الْفَرِيضَةِ
(مختصر باب العول)

اگر فرائض زیادہ ہوجائیں
کسر کے اصل سے جس سے درست ہوتی ہے
یعنی جس عدد سے سب حصہ داروں کے حصے نکلتے ہیں
اس کو بڑھا دیا جاتا ہے کہ ہر
حصہ دار کے حصے میں کچھ کمی آجائے

عول کا طریقہ عول کا طریقہ یہ ہے کہ ترکے کے ناکافی ہونے کی حالت میں کسر کے

پیدا کرنے والے عدد کو بڑھا دیتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ دیکھیں کہ

عول ہونا چاہیے کہ نہیں۔ اس کو معلوم کرنے کے لیے ایک قاعدہ بتلاتے ہیں کہ

دوسرے کا رقوں کے حصے پر کیا اثر پڑتا ہے۔

مثلاً :-

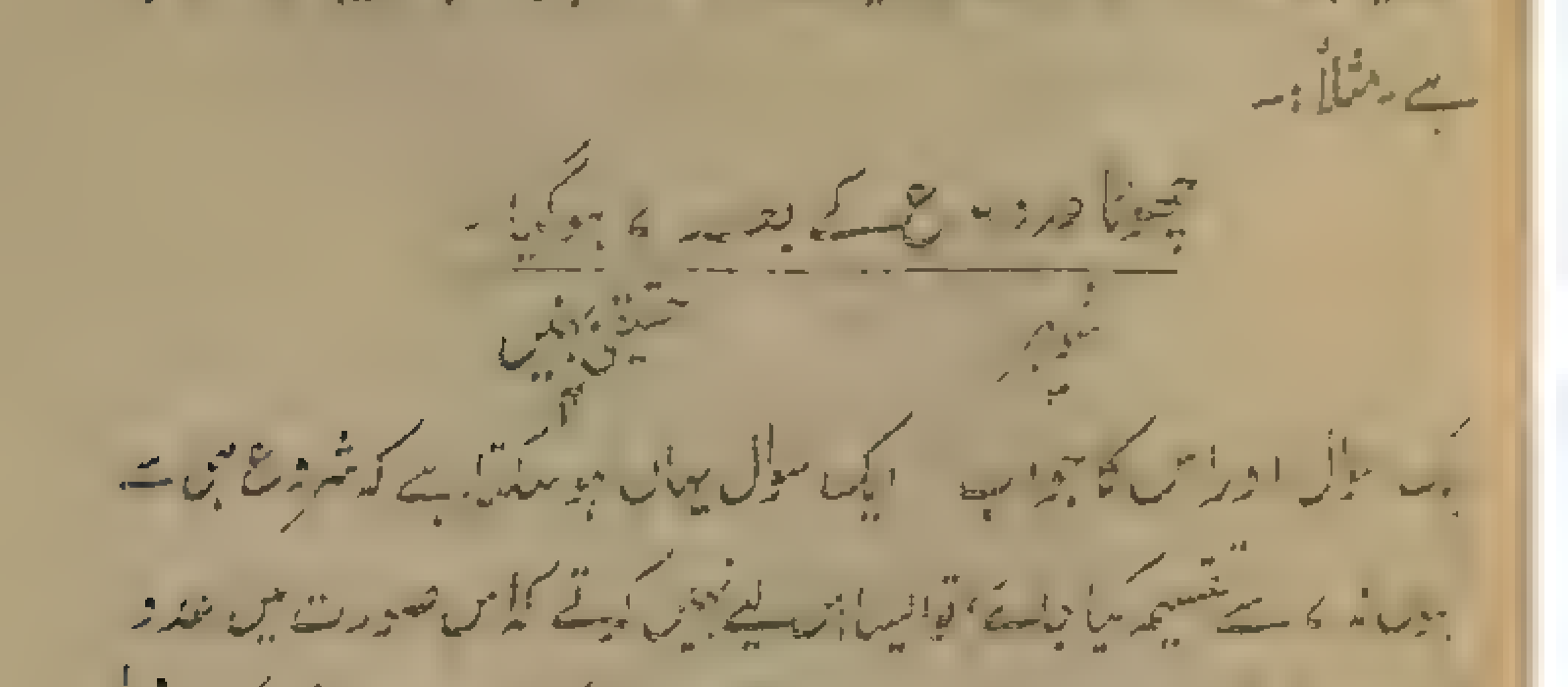

غبن کا نتیجہ غبن کی صورت میں حصول کے وقت جتنی زیادتی ہوتی ہے اس نسبت سے تمام وارثوں کے حصے میں فرق آ جاتا ہے۔ اور پھر کئی بیٹے شوہر کو جب دیے اور پھر ہم بیٹے ہندوں کو آ اب جس بیٹے شوہر کی کمی ہوگی اسی نسبت سے ہر کی کمی ہوگی اور ان دونوں میں کی وجہ سے حصے کی تقسیم آسانی سے ہوگی اور نہ عدالت کو کمی کرنی پڑتی ہے کسی جنس وارث نے تو بہ کل متروکہ نہ لیا یا پھر کسی نے بہت کم لیا اور دوسرا بہت کم بار کی اس صورت میں ہوتی ہے کہ بہت کم اور پھر حصے کی نہیں کرنی پڑتی۔

لڑکے کی معمولی زیادتی سے غبن نہیں ہوتا! یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ میت کے لڑکے کی معمولی زیادتی سے غبن کی ضرورت کبھی نہیں پڑتی۔ شریعت نے لڑکے کی معمولی زیادتی میں دوسرے وارثوں کے حصے یا تو کم کر دیے یا ان کا حصہ زیادہ کیا ہے۔

روپیہ کا بیان! عدالت میں تو ہر وارث کے حصے سے پچھ نہ کچھ کمی کرنے کا اختیار ہے جتنے پورے کیے جاتے ہیں اور روپیہ ایک وارث کا اپنے قرضہ کے لیے کچھ زیادہ طلب ہے۔

روپیہ کا حصہ روپیہ کا حصہ بھی متروکہ کے ہاتھ آنے کے بعد تقسیم ہوتا ہے اور اس میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ ترکے کا ہی بیٹا روپیہ لے سکتا ہے جس ترکے میں سے

نے بھی یہی مشورہ دیا تھا اور اسی طرح ابوبکر کا طریقہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے تجویز فرمایا، غرض ان تمام صحابہ اور ائمہ متبوعین کے مذہب اگر دیکھے جائیں تو حضرت زید بن ثابت نے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ باقی ترکہ میت اموال کا ہے انہی کی رائے کو امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اختیار کیا ہے البتہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت علی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اسی پر زمانہ عمل ہے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ میراث بچ جائے اور کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر وہ ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے البتہ اگر بیت المال کا نظام نہ ہو تو پھر ذوی الفروض پر تقسیم کر دینا چاہیے۔

گویا حضرت زید بن ثابت، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک ذوی الفروض کو حصص کے مطابق ترکہ دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ حضرت علی اور ان کی متبعین کے نزدیک ذوی الفروض پر تقسیم کر دینا چاہیے اس لیے کہ وہ رشتہ و تعلق نسب کو بنا پر تقسیم کی جاتی ہے اس لیے جب تک کہ ذوی النسب میں کوئی موجود ہو اس کو مقدم رکھنا چاہیے قرآن میں صاف صاف ارشاد ہے:-

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ	حکم خداوندی میں رشتے دار آپس میں ایک دوسرے
اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ	کے زیادہ حق دار ہیں۔

حاشیہ یہ آیت سورۂ انفال کی ہے اور ان آیتوں میں سے ہے جو مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

ہدایت ۔ اگر مورث نے اپنی جائداد کے ورثاء الزینت کے ذمہ کچھ
عرصہ تک کوئی خدمت سپرد کی ہو تو اس خدمت کا عرصہ پورا ہونے
تک تقسیم نہ ہوگی۔ اگر کوئی وارث اس خدمت کو انجام نہ دے تو
اس کا حصہ ضبط ہو جائے گا۔ قرآنی حکم کے مطابق ان کے درمیان چونکہ رشتہ نسب و خون کا ہے
اس لیے ان کو اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اس رشتے کی وجہ سے ان کے لیے حق
ہے۔ مگر ان ورثاء میں کوئی رشتہ رحم ہے ایسا ہے جس سے ترکہ میں حق
تو ان پر وارد ہوگا۔ مگر یہ وارد رشتہ زوجیت کی وجہ سے نہیں بلکہ رشتہ رحم کی وجہ
سے ہوگا۔

ہدایت ۔ ورثاء باقی ترکہ میں اختیار رکھتے ہیں دوبارہ تقسیم کی جائے تا ہم
اختیار سے انھوں نے حصہ پایا ہے یعنی جس چیز کو یا ورثاء باقی ورثاء ہدایت
تبدیل نہ یا دوسرے کا اور جس کو پہلے کہ لا کھا ہو کی ملکیت میں نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۹) ہدایت ۔ ورثاء میں سے کسی نے اور سے کوئی چیز
ہبہ کی اور ان کے بعد میں کہ کسی تیسرے وجہ سے ان کا وہ حق جاتا رہا
رشتے کی وجہ سے ان کو پہنچے ہے۔ تقسیم سے کہ ہبہ صحیح ہوگئے پہلے قریب رشتے دار
میں وراثت تقسیم کی جائے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اسلامی فقہ کی تالیف کی توفیق عطا فرمائی اور پھر اس نے اس کو اتمام تک پہنچایا یا اب اس کی بارگاہ قدس میں یہ دعا ہے کہ وہ اسے قبول کرلے اور اپنے بندوں کے لیے مفید بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

خادم مجیب ندوی

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۵۷ء

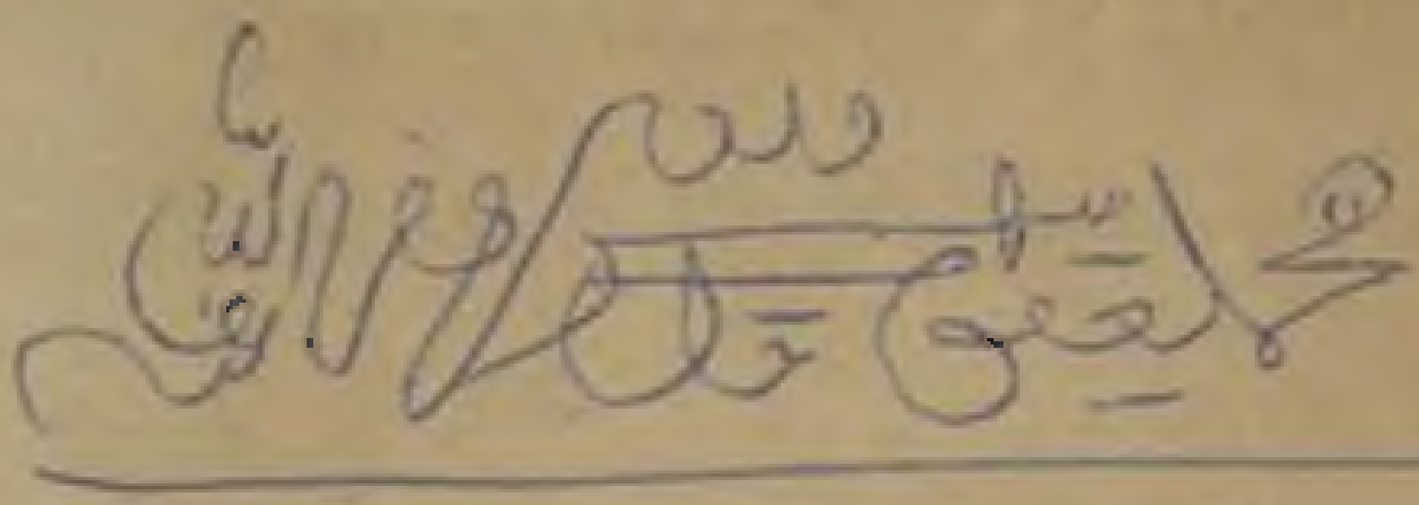

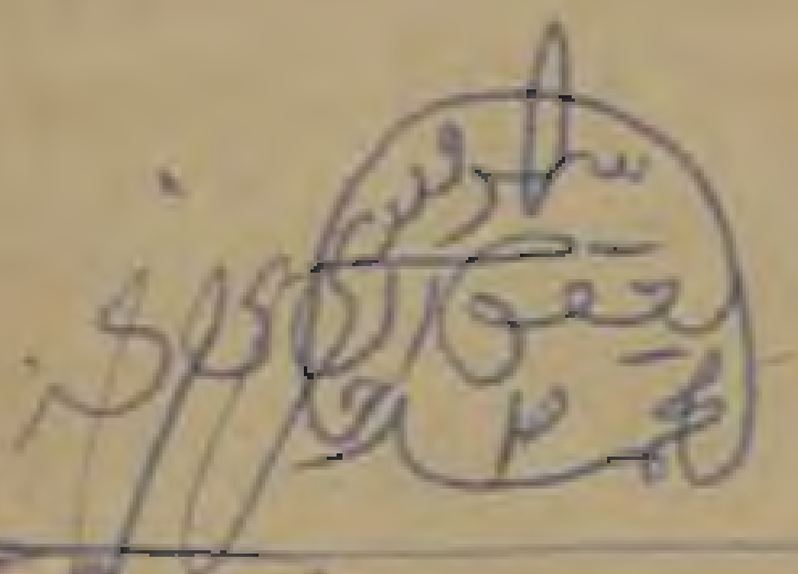

محمد یعقوب خاں شہروردی
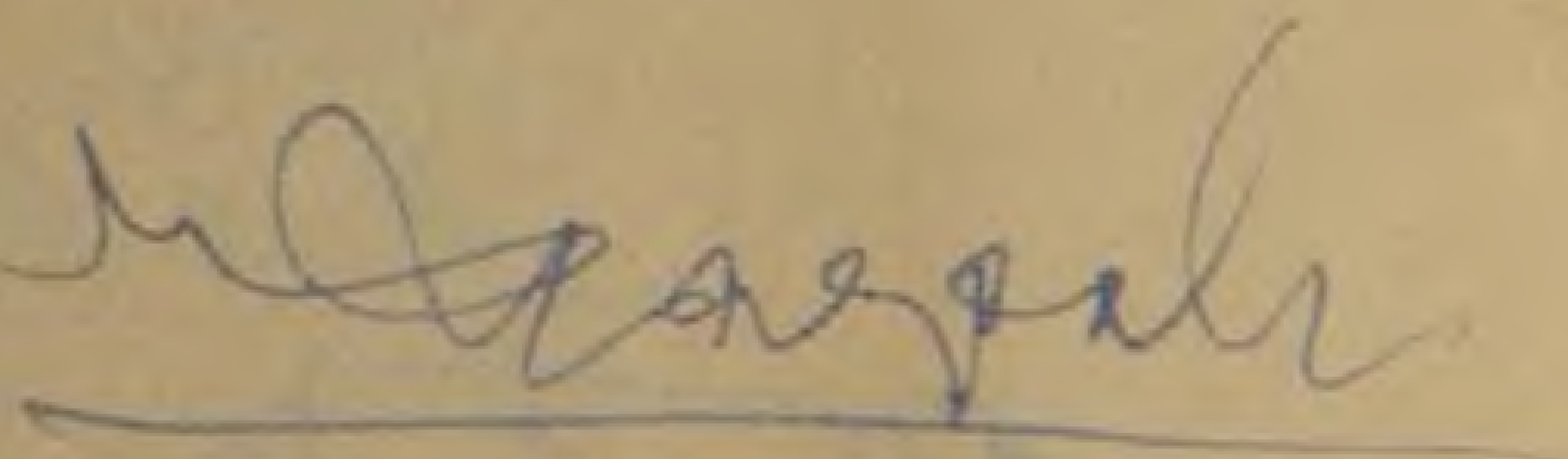
۶۸، کریم پارک - بلاک نمبر ۲ - کچارادی روڈ - لاہور۔